تذکرہ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ

یعنی

سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند وشیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی کے خاندانی حالات، حسب ونسب، تعلیم وتربیت، بیعت وسلوک، درس وتدریس، قومی وملی خدمات، دینی، علمی، مذہبی اور تنظیمی کارنامے، تصنیفات وتالیفات، علالت ووفات، علماء کے تاثرات، اوصاف وخصائل اور نظریات، باقیات صالحات، ان کی تقریر وتحریر اور مکتوبات کا ایک علمی مرقع اور تاریخی دستاویز۔

تالیف

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی

تذکرہ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ

یعنی

سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی کے خاندانی حالات، حسب ونسب، تعلیم و تربیت، بیعت و سلوک، درس و تدریس، قومی وملی خدمات، دینی، علمی، مذہبی اور تنظیمی کارنامے، تصنیفات و تالیفات، علالت و وفات، علماء کے تأثرات، اوصاف و خصائل اور نظریات، باقیات صالحات، ان کی تقریر و تحریر اور مکتوبات کا ایک علمی مرقع اور تاریخی دستاویز۔

تالیف

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ مطبوعات مرکز احیاء الفکر الاسلامی..................(۲۹)

نام کتاب: تذکرہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ

تالیف: مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

صفحات: ۲۴۰ر

تعداد: ۱۱۰۰ر

قیمت: ۱۰۰ر روپئے

باہتمام: حافظ عبدالستار عزیزی

سن اشاعت.................. ۲۰۱۳ء م ۱۴۳۴ھ

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور

ناشر

دارالبحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (انڈیا)

E-mail: masood_azizinadwi@yahoo.co.in
masoodazizi94@gmail.com, Mob.9719831058

ملنے کے پتے

☆ کتب خانہ یحیوی متصل مظاہر علوم سہارنپور ☆ خانقاہ رحیمی رائے پور، سہارنپور (یوپی)

☆ مکتبہ ابوالحسن، محلہ مفتی سہارنپور ☆ مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ اتحاد بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور ☆ الفرقان نیا گاؤں مغربی (نظیرآباد) لکھنؤ

فہرست مضامین

پہلا باب

تمہید، خاندان، وطن، نسب، تعلیم وتربیت، بیعت وسلوک وطریقت

دوسرا باب

درس وتدریس، مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد، مدرسہ شاہی مرادآباد اور مدرسہ امینیہ دہلی میں

تیسرا باب

سیاسیات اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی اور آپکی قومی وملی خدمات

چوتھا باب
دینی علمی، مذہبی، تنظیمی کارنامے اور تصنیفات وتالیفات

پانچواں باب

تقسیم ہند کے موقع پر آپ کا کردار اور جد و جہد

چھٹا باب

علالت، وفات اور اخبار ورسائل اور اہل تعلق کے تاثرات

حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی

حضرت مولانا ممشاد علی قاسمی

ساتواں باب
اوصاف وخصائل اور نظریات

آٹھواں باب

آپ کی شگفتہ تحریر وتقریر کے نمونے

آپ کی تصنیف عہد زریں سے اقتباسات

مظلوم اردو اور مسلمانوں کا مستقبل

ابنائے دارالعلوم دیوبند سے خطاب

نواں باب

باقیات صالحات

دسواں باب

مکتوبات

تعارف مؤلف

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی

نائب مدیر پندرہ روزہ "تعمیر حیات"، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبہ نستعین ونحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،اما بعد!

تعلیم وتلقین، تصنیف وتحقیق، تبلیغ اور تربیت وتزکیہ یہ سب دین کی خدمت کے وہ اسباب وذرائع ہیں، جن سے انسان لازم سے متعدی ہوجاتا ہے، اوراس کا علم نافع بن کر سامنے آتا ہے، امت کے بعض حضرات ان سب کو جمع کرکے دین کی اشاعت کا کام کررہے ہیں، اور بعض الگ الگ شعبوں میں اپنی توانائیاں صرف کررہے ہیں، برادر عزیز مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب وفقہ اللہ لما یحبہ ویرضاہ اپنے زمانہ طالب علمی سے ان تمام شعبوں میں قدم رکھنے کا جذبہ وحوصلہ رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری قدس سرہ کی سرپرستی حاصل کی اوران کے مشورہ سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی قدس سرہ کی خدمت میں آکر ان کے وطن کے مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں ایک سال گزارا، اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ منتقل ہوگئے، محنت سے تعلیم حاصل کی ، اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے ، تحریری وتقریری پروگراموں میں حصہ لیا، اوراسی زمانہ سے کتابیں بھی تصنیف کرنے لگے۔

جس کتاب سے ان کو شہرت ملی، وہ "حیات عبدالرشید" خود انہی کے شیخ ومربی کی سوانح

حیات تھی، پھر اور بھی کتابیں مختلف موضوعات پر لکھیں، اور چند سال ایسے بھی گزارے، جن میں لکھنے لکھانے کا سلسلہ موقوف کر دیا، اس لیے کہ ان کے شیخ ثانی اور مربی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ نے ان کو ان ایام و اعوام میں سلسلہ تحریر موقوف رکھنے کی تاکید فرمائی تھی، اس سے پہلے اگر چہ ان کے شیخ اول حضرت شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری ان کے تقریر کرنے پر پابندی لگا چکے تھے کہ ابھی تمہاری باتیں کھیل تماشہ ہونگی، بعد میں جب اللہ تاثیر پیدا فرمادے گا پھر ہر بات اہم ہوگی، اب اپنے شیخ ثالث حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے مشورہ سے ان کی سرپرستی میں تقریر و تحریر شروع کر دی ہے، کچھ عرصہ سے نوجوانوں کے سامنے ایک اصلاحی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا ہے، جس میں نوجوان شریک ہوتے ہیں، تقریروں کی اہمیت کے پیش نظر ان کے چاہنے والوں نے ان تقریروں کو قلم بند کر لیا، اس طرح ایک کتاب ''افکار دل'' کے نام سے سامنے آ گئی، کچھ روز قبل حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی نے ان سے ''تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری'' نامی کتاب تحریر کرائی ہے، جو بہت مقبول ہوئی، چند ماہ قبل انہوں نے اپنی ادارت میں نکلنے والے ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کا خصوصی نمبر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کی یاد میں نکالا تھا، جس میں اکابر اہل علم کے مضامین تھے، مضامین کی افادیت کی بنا پر موصوف نے ان کو کتابی شکل میں ''نقوش حیات'' کے نام سے شائع کیا ہے، پیش نظر کتاب ''تذکرہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ'' ان کی چودہ پندرہ سال پہلے لکھی ہوئی کتاب ہے، جو انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں لکھی تھی، اب زیور طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔

یہ بات سچ ہے کہ خانقاہ رائے پور ضلع سہارنپور کا قرب ان کو برابر فائدہ دیتا رہا، اور یہ نسبت ان کو نفع پہنچاتی رہی؛ لیکن تنہا نسبت کافی نہیں ہوتی، طلب اصل ہے، اور وہ بھی سچی طلب ہو، جسے طلب صادق کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ تواضع بھی ہو، اس لیے کہ لینے والا ہاتھ نیچے

ہوتا ہے اور دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے، دنیا کے حصول میں یہ اصول اس کے برعکس ہوتا ہے، وہاں مزاج لینے کا نہیں دینے کا بنانا ہوتا ہے، اسی کو پسند کیا گیا، اسی کی ترغیب دی گئی ہے۔

مولانا حافظ قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی، ضلع سہارنپور میں واقع مشہور عالمی تربیت گاہ خانقاہ رائے پور سے قریب مظفرآباد کے رہنے والے ہیں، جہاں وہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۵/اپریل ۱۹۷۴ء بروز جمعہ پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم حافظ محمد اخلاق صاحب مرحوم کے پاس اپنے گاؤں میں حاصل کی، پھر حفظ وقراءت کی تعلیم کے لیے ۱۲/شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۳/ جولائی ۱۹۸۳ء کو جامعہ بیت العلوم پپلی مزرعہ، یمنا نگر (ہریانہ) میں داخل ہوئے، اور ۹/سال وہاں قیام کیا اور حفظ وقرأت کے ساتھ اردو، ہندی، انگریزی اور ابتدائی فارسی اور عربی پڑھی، پھر ۱۴/شوال ۱۴۱۲ھ کو مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور ضلع سہارنپور میں داخل ہوکر دوسال تک عربی کی ثانوی تعلیم کافیہ تک حاصل کی، اس کے بعد اپنے شیخ ومرشد حضرت الحاج حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کے مشورہ سے حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں پہنچ کر مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں ۱۷/شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۰/ مارچ ۱۹۹۴ء کو داخلہ لے کر درجات عالیہ کے پہلے سال کی تکمیل کی، پھر ۱۳/شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۵/ مارچ ۱۹۹۵ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوکر تین سال میں عالمیت کی تکمیل کی اور دو سال میں تخصص فی الفقہ والافتاء کا کورس کیا اور اخیر شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ابتداء دسمبر ۱۹۹۹ء میں ندوۃ العلماء سے فراغت حاصل کی، طالب علمی کے اس زمانہ میں ایک درجن کے قریب کتابیں تصنیف کیں۔

اصلاح وتربیت میں اولاً حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری سے تعلق قائم کیا، اور ۱۵/شعبان ۱۴۱۳ھ کو بعد نماز تہجد بیعت ہوئے، حضرت کی خدمت میں رہے، اور ان کے ساتھ اسفار بھی کیے، ۷/رمضان ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۸/جنوری ۱۹۹۶ء کو ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے ۲۴/شوال ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۵/ مارچ ۱۹۹۶ء کو نماز

جمعہ سے قبل چاروں سلسلوں میں بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا اوران کی عنایتیں حاصل کیں، اور پابندی سے ان کی مجلسوں میں حاضری دی، ۲۲ر رمضان ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد ان کے جانشین مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم سے تجدید بیعت کی اور اب ان کی سرپرستی میں تعلیمی، سماجی، رفاہی، اصلاحی، تبلیغی اور دعوتی سرگرمیاں جاری رکھ کر خدمت دین کا کام انجام دے رہے ہیں۔

مولانا موصوف نے فراغت کے بعد متعدد ملکوں کے دورے بھی کئے، مثلاً پاکستان، سعودی عرب، دبئی، کویت، جنوبی افریقہ، شوازی لینڈ، زمباوے، بوٹسوانہ، زامبیا، ملاوی، موزمبیق، ملیشیا اور سنگاپور تشریف لے گئے، بعض جگہ کئی کئی مرتبہ جانا ہوا، تصنیف وتالیف میں دو درجن سے زیادہ کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔

۲۰ر رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۲۰۰۰ء کو ایک دینی، تعلیمی، دعوتی، فکری ادارہ بھی مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے نام سے قائم کیا، جس کے تحت دو ادارے چل رہے ہیں، جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ لڑکوں کے لئے، اور جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات لڑکیوں کے لیے، اور مارچ ۲۰۰۶ء سے مستقل ایک رسالہ بھی "نقوش اسلام" کے نام سے پابندی سے نکال رہے ہیں، اس طرح وہ اس وقت مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے رئیس، جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ کے مہتمم، جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات کے شیخ الحدیث، دار البحوث والنشر کے جنرل سکریٹری اور ماہنامہ نقوش اسلام کے چیف ایڈیٹر ہیں، اوران کی خدمات دینی تعلیمی اور تربیتی میدان میں جاری وساری ہیں، اللہ تعالی ان سے خوب سے خوب کام لے۔

والسلام

محمود حسن حسنی ندوی

میدان پور، رائے بریلی

۴ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

۱۱ر ستمبر ۲۰۱۳ء

مقدمہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

راقم کے سامنے اس وقت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی کا تذکرہ مرتبہ فاضل عزیز مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب ہے۔

راقم کو ایک حد تک ان کی معاصرت و معرفت اور محبت و عقیدت کا بھی شرف حاصل ہے، اور دہلی کے زمانہ قیام میں ان کا مہمان ہونے اور ان کے مکان پر قیام کرنے کی سعادت بھی حاصل ہے، پھر وہ زمانہ جو جنگ آزادی، حکومت برطانیہ سے جنگ آزمائی، حفاظت دین وملت کی سعی اور غیرت دینی، حمیت اسلامی کے ساتھ حقیقت شناسی، دور بینی اور فراست کا عہد بہار اور دور شباب بھی سامنے ہے، اس کے ساتھ یہ حقیقت اور ''المیہ'' بھی کسی حد تک پیش نظر تھا، کہ اس عہد کے قائدین ملت، مجاہدین جنگ آزادی اور محافظین دین وملت کا جیسا حقیقت پسندانہ، منصفانہ، اور مؤرخانہ تذکرہ مرتب ہونا چاہئے تھا، وہ اگر منفی معدوم نہیں تو شاذ ونادر کی حیثیت رکھتا ہے، خاص طور پر ان شخصیتوں کا جو اس دور آزمائش میں دین کی صحیح نمائندہ، جانشین سلف، پیشوائے خلف اور نہ صرف رسوخ فی العلم، اعتدال واستقامت رکھتے تھے، بلکہ علم دین کے ناشر اور قدیم نصاب کے وکیل و مبلغ اور معلم و مدرس تھے۔

شکر ہے کہ ہمارے ایک فاضل نوجوان مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی نے ان قائدین

ومجاہدین میں سے مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی کا تذکرہ بڑی تفصیل، واقعہ نگاری، صدق بیانی اور قلم کی روانی کے ساتھ مرتب کیا، اس میں سوانح نگاری بھی ہے، تاریخ نویسی بھی ہے، ان کے فضائل وکمالات، خدمات واحسانات، ان کی علمی خدمات، اشاعت علم دین کی جدوجہد، توفیق الٰہی اور موہبت ربانی کے ساتھ اس عہد پر ایک مؤرخانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے، اور حکومت برطانیہ کے ایجابی وسلبی اثرات اور مضرات وخطرات کو بھی نمایاں کیا گیا ہے، اور علماء راسخین اور نائبین رسول، جانشینان سلف کی حمیت اور عزیمت اور قربانیوں اور خطر پسندیوں کو بھی دکھایا گیا ہے، اس سے ایک بڑا خلا پر ہوتا ہے، اور حمیت وحمایت دین اور حفاظت دین وملت اور فکر وعزیمت کا جو سلسلہ تاریخ اسلام میں جاری رہا اور اس کو جاری رہنا چاہیئے وہ سامنے آتا ہے، اور یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے، کہ اسلام اور مسلمانوں کی طویل وپرآشوب تاریخ میں کوئی خلا نہیں پایا جاتا، وہ صحت عقیدہ، حسن عمل، دعوت وتبلیغ، جدوجہد اور مجاہدہ وقربانی کی مسلسل تاریخ ہے، یہ تذکرہ زنجیر کی ایک کڑی اور وقت کا ایک فریضہ ہے، جس کی ادائیگی پر مصنف عزیز کا شکر گزار اور ان کی جدوجہد کا معترف وممنون ہونا چاہیئے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے اور یہ کتاب اس عہد کے نوجوانوں کے لئے بھی چشم کشا، مسرت افزا اور رہنما ثابت ہو۔ وماذلك على الله بعزيز

والسلام

ابوالحسن علی حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
۸؍ اکتوبر ۱۹۹۹ء

تائیدی مکتوب

مولانا ساجد میاں صاحب
(بن حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ)
موظف سعودی سفارت خانہ دہلی

باسمہ تعالیٰ شانہ

عزیز محترم مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! الحمدللہ پوری کتاب ماشاء اللہ نظر سے گزر گئی ہے، اور بہت معمولی اضافہ کے ساتھ واپس ارسال ہے۔

جیسا کہ آپ کے خط سے معلوم ہوا، اصل مضمون ۱۹۹۸ء میں حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں منصہ تحریر میں آچکا تھا، اور حضرت کی تقدیم سے مشرف ہو چکا تھا؛ لیکن اس کو کتابی شکل میں لانے اور مضمون سے کتاب بننے میں تقریباً ۱۴ ارسال کا عرصہ لگ گیا، ظاہر ہے آپ کی مصروفیات نے اس کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن ہر کام کا وقت مقرر ہے، اس تاخیر میں خیر کا پہلو یہ ہے کہ کافی مواد اکٹھا ہو گیا، اور شاید حضرت صاحب سوانح کے بارے میں اتنے مواد کے ساتھ پہلی تصنیف منظر عام پر آرہی ہے، یہ آپ کی محنت اور لگن ہے کہ آپ نے مختلف حضرات سے اتنا مواد حاصل کر لیا، اگرچہ اس سے کہیں زیادہ جمع ہو سکتا تھا، خاص طور پر صاحب سوانح کے ہم عصر علماء واکابر سے، لیکن پھر بھی کتاب کا موجودہ مواد

حضرتؒ کے بارے میں ان حضرات کو کافی معلومات فراہم کر دیتا ہے، جو حضرت سے واقف نہیں تھے۔

یہ ناکارہ راقم الحروف یوں بھی اچھا طالب علم نہیں رہا، اس لئے حضرت والد صاحب حیات مبارکہ میں کوئی استفادہ نہ کر سکا، پھر مدرسہ سے فراغت کے فوراً بعد دفتری ملازمت خالص غیر علمی تھی، جو کچھ حضرات اساتذہ اور والد صاحب کی پر شفقت تربیت سے حاصل ہوا تھا، اس سے بھی محروم ہو گیا، لیکن اس تہی دامنی کے باوجود علماءِ کرام سے محبت اور عقیدت کا ہی شاید یہ انعام ہے کہ علمی کاموں سے دلچسپی ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ قارئین کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ساجد میاں

تاج انکلیو دہلی

۲؍مارچ ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کے دینی تعلیم کے رسائل اگرچہ بچپن میں پڑھے تھے، مگر کس نے لکھے، اس وقت اس کا شعور نہیں تھا، البتہ مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں جب ۱۹۹۳ء میں عربی سوم (کافیہ) میں حدیث کی ایک کتاب ''مشکوۃ الآثار'' پڑھی، اس کتاب سے ایسی مناسبت ہوئی کہ اس میں اخلاقیات سے متعلق چھوٹی چھوٹی جو احادیث تھیں وہ یاد ہو گئیں، اور اپنے ایک رجسٹر میں ان کو لکھتا بھی رہا، پھر عرصہ بعد اپنے ساتھیوں کو وہ حدیثیں ترجمہ کر کے سناتا، اور تقریر کا انداز اختیار کرتا، ماشاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوا، اس وقت حضرت مولانا محمد میاں صاحب کے بارے میں کچھ سوجھ بوجھ پیدا ہوئی، مگر جب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جانا ہوا، ذہن میں وسعت اور مطالعہ کا کچھ ذوق ہوا، تو حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی شخصیت، ان کی کارکردگی اور آزادی ہند میں ان کی قربانیاں اور ان کی دینی، ملی، علمی و تصنیفی خدمات کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی، اور یہ محسوس ہوا کہ جس شخصیت نے ہزاروں اکابر علماء اور مسلمانوں کے تذکرے کو زندہ کیا، اس کے حالات کے بارے میں کوئی مستقل کتاب نہیں، چنانچہ راقم نے مولانا محمد میاں صاحب سے متعلق ایک مستقل کتاب لکھنے کا عزم کر لیا، اور اس سلسلہ میں تگ و دو شروع کر دی۔

اور ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ م ۲۶ جنوری ۱۹۹۸ء بروز پیر بعد نماز ظہر سے مولانا کے سلسلہ میں مضامین جمع کرنا شروع کر دئے، بعض حضرات کو خطوط بھی لکھے، مولانا سید محمد میاں صاحب کے ایک شاگرد مولانا اسیر ادروی کا پتہ چلا تو ان کو بھی ایک خط لکھا، اور مولانا

کے سلسلہ میں ان سے معلومات حاصل کرنا چاہی، جس پر مولانا کا اس حقیر طالب علم کے نام مندرجہ ذیل خط آیا:

جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب، بنارس

۱۸/۷/۱۹۹۸ء

مکرمی!

السلام علیکم

خط ملا، یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ کی ایک مکمل سوانح عمری مرتب کر رہے ہیں، سوانح عمری میں دوسروں کے مضامین کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے، ایک اچھی اور معیاری سوانح عمری سامنے رکھ کر اپنی کتاب کا خاکہ مرتب کرلیں، پھر اپنی بھرپور تلاش وجستجو سے اس میں رنگ بھریں، ایک اچھی سوانح عمری دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے، پہلے حصہ میں ولادت سے وفات تک کے حالات ہوتے ہیں، دوسرے حصہ میں خدمات، کارنامے، اخلاق وعادت، خصوصیات وامتیازات، تصانیف کا تعارف وغیرہ ہوتا ہے، یہ دوسرا حصہ ہی سوانح عمری کی روح ہوتی ہے، اس پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، مولانا مرحوم ایک خاص طرز تحریر کے مالک، بہت سی اہم ترین کتابوں کے مصنف، ایک معیاری رسالہ قائد کے مدیر رہے، جمعیۃ علماء ہند کے اہم عہدوں پر فائز رہے، کئی مضامین اور شاندار ماضی کے حصہ چہارم پر ان کے خلاف مقدمات چلے، سزائیں ہوئی، موصوف بیک وقت مصنف، مدیر، سیاسی رہنما، اسلامی تعلیم کے ماہر اور استاد حدیث تھے، ان سب حیثیتوں پر آپ کو مکمل معلومات فراہم کرنی چاہئے، مولانا مرحوم کی زندگی عظیم کارناموں سے بھری ہوئی ہے، یہ آپ کی محنت پر منحصر ہے کہ آپ ان کی شایان شان سوانح عمری مرتب کرسکیں، خدا آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے، میری دعا آپ کے ساتھ ہے۔

والسلام

مخلص اسیر ادروی

ڈیڑھ دو سال کے اندر جب یہ کتاب کا مسودہ تیار ہو گیا، تو شیخ ومرشدی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ سے اس کا تذکرہ کیا اور اس پر مقدمہ لکھنے کی گزارش کی، حضرت نے بہت سراہا اور فرمایا کہ ''امت پر یہ قرض تھا جو آپ نے ادا کیا'' اور پھر جاندار مقدمہ تحریر فرمایا، جس میں مولانا محمد میاں کی شخصیت کا کھل کر اعتراف کیا ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کی خصوصی اشاعت ''تاریخ شاہی نمبر'' بابت نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء، اور ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' کی خصوصی اشاعت ''جمعیۃ علماء نمبر'' ۱۹۹۵ء سے زیادہ مدد ملی، اور مولانا محمد میاں صاحب کے صاحبزادے مولانا ساجد میاں صاحب -موظف سعودی سفارت خانہ دہلی- نے بھی خصوصی تعاون کیا اور بعض چیزیں عنایت فرمائیں، اس کے بعد اپریل ۲۰۰۰ء میں پاکستان جانا ہوا، وہاں شبیر احمد صاحب میواتی (۱) منیجر ندوۃ المعارف لاہور نے کافی تعاون کیا اور اچھا خاصا مواد جو مولانا محمد میاں سے متعلق انہوں نے اکٹھا کر رکھا تھا، وہ سب ہی راقم کو دیدیا، جس سے کافی فائدہ ہوا۔

اس طرح یہ کتاب ۱۴ ر سال سے لکھی ہوئی رکھی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک

---

(۱) شبیر احمد صاحب میواتی سے ملاقات اور تعارف کا عجیب واقعہ پیش آیا، جب راقم اپریل ۲۰۰۰ء میں پاکستان گیا اور واپسی میں لاہور میں اندرون لوہاری پتھراؤ والی مسجد میں پیر صاحب مولانا حبیب الرحمٰن کے یہاں قیام ہوا، عشاء کے بعد وہ اپنی مجلس میں راقم کا تعارف کرانے لگے، اور جیسے ہی بتلایا کہ یہ ہندوستان کے ضلع سہارنپور سے آئے ہیں، اتنا سنتے ہی مجلس میں موجود شبیر صاحب میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ مولانا آپ سہارنپور میں مولانا مسعود عزیزی صاحب کو جانتے ہیں، یہ سنکر میں نے ذرا صبر سے کام لیا، اور راقم کو ایک دم اپنے شیخ مفکر اسلام کا وہ واقعہ جو ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کے سلسلہ میں پیش آیا تھا یاد آ گیا، میں نے کہا کہ کوئی پیغام ہو تو بتلا دیجئے، شبیر صاحب نے بتلایا کہ میں نے ان کی دو کتابیں پڑھی ہیں ''حیات عبدالرشید'' اور ''سیرت مولانا یحییٰ کاندھلوی'' اور انہوں نے فلاں جگہ یہ بات لکھی ہے، تھوڑی دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ بندہ آپ کے سامنے حاضر ہے، وہ فوراً بغل گیر ہو کر بہت خوش ہوئے، پھر پیر صاحب نے فرمایا، اب آپ ہی ان کا تعارف کرائیے، آپ ان کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، اس طرح شبیر احمد صاحب سے تعارف وملاقات ہوئی، پھر انہوں نے بعض بہت ہی قیمتی کتابیں عنایت کیں، اور مولانا محمد میاں صاحب سے متعلق کافی مواد خاص طور سے مولانا محمد میاں صاحب کے خطوط وغیرہ عنایت کئے، بعد میں وہ ناراض بھی ہوئے، اب ماشاء اللہ خوش ہیں، چونکہ بہت کام کے آدمی ہیں، اس لئے کبھی کبھی فون پر ان سے بات چیت ہو جاتی ہے۔

وقت متعین کر رکھا ہے، جس سے پہلے وہ وجود پذیر نہیں ہوتی، اس لئے اب یہ کتاب بعض دوستوں کے تقاضے خاص طور پر شبیر احمد صاحب میواتی کے اصرار سے شائع کرنے کا پروگرام بنایا، ان کا تقاضہ تھا کہ آپ جلدی سے یہ کتاب شائع کر دیں، اور میں یہاں پاکستان میں بھی اس کو شائع کروں، شبیر احمد صاحب کو مولانا محمد میاں صاحب سے عقیدت اور محبت ہے، اس لئے ان کو مولانا سے متعلق جو بھی چیز ملی، اس کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔

لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے مسودہ کو مبیضے کی شکل دیدی، اور مولانا سے متعلق جو بھی مواد ملا، اس کو بعینہ نقل کر دیا، اس طرح دس ابواب پر پوری کتاب کو تقسیم کر کے مرتب کر دیا، مؤلف کا اس کتاب کے سلسلہ میں کوئی بڑا دعویٰ نہیں ہے، بلکہ منتشر مضامین کو ایک جگہ جمع کرنیکی کوشش کی ہے، اسی تناظر میں اس کو پڑھا جائے، مولانا کے صاحبزادے مولانا ساجد میاں صاحب نے بھی پوری کتاب ملاحظہ فرما کر اپنی تائیدی تحریر عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، مولوی حمید اللہ قاسمی کبیر نگری نے اس کو کمپوز کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اور ان تمام حضرات کو جنہوں نے کسی بھی طرح اس کتاب کے پیش کرنے میں تعاون کیا ہے اجر عظیم عطا فرمائے، قارئین سے درخواست ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل تعلق، اساتذہ، مشائخ، والدین اور راقم کے لئے اس کو ذریعہ نجات وفلاح بنائے اور ہم سب کو اپنے محبوب ومقبول بندوں میں شامل فرما کر ایمان کامل پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام

محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور

۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

۲۰؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز اتوار

پہلا باب

تمہید، خاندان، وطن، نسب، ولادت اور تعلیم و تربیت، بیعت و سلوک و طریقت

تمہید، خاندان، وطن، نسب، ولادت اور تعلیم وتربیت، بیعت وسلوک وطریقت

تمہید

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ کی ذات ستودہ صفات، مختلف النوع خصوصیات کی حامل تھی، آپ کی حیات مبارکہ ہمہ رنگ اور ہمہ صفت زندگی کا ایک مرقع تھی، آپ کی تبحر علمی پر نظر ڈالئے تو ایک بحر بیکراں نظر آتے ہیں اور جہد وجہاد کے میدان میں دیکھئے تو ''آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی'' کا پیکر، ایک طرف آپ مسند تدریس پر فائز المرام نظر آتے ہیں، تو دوسری طرف میدان تصنیف وتالیف کے کامیاب شہسوار، آپ کی راتیں بارگاہ خداوندی میں الحاح وزاری، مناجات وسرگوشی، تہجد اوراد ووظائف اور عبادت وریاضت میں بسر ہوتی ہیں، تو دن اسلام اور مسلمانوں کی فلاح وبہودی اور ملک وملت کی خیر خواہی میں ہمہ تن مصروف پایا جاتا ہے، یعنی صحیح معنوں میں آپ کی ذات ''بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ'' کی مصداق ہے، غرضیکہ آپ ''موفق من اللہ'' اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے، اور نہ معلوم کتنے علماء اور بزرگان دین کی سوانح عمریاں اور حالات زندگی لکھ کر ان کو زندہ کیا، مگر ابھی تک اس مجاہد آزادی اور علماء ہند کے شاندار ماضی کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے والے کے تفصیلی حالات قارئین کے سامنے نہ آسکے تھے، اور بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ یہ امت پر ایک قرض تھا، جس کو اب اللہ تعالی

کی توفیق اور مدد سے یہ تذکرہ لکھ کرادا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جو برسوں سے امت پر چلا آرہا ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور حضرت مولانا کے صحیح حالات لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا خاندان اور وطن

آپ سرزمین دیوبند کے قدیم خاندان سادات رضویہ کے چشم و چراغ تھے، آپ کے مورث اعلی وجد امجد مولانا سید محمد ابراہیم (م ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۴ء) گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں جہانگیر کے عہد میں بعض اہل اللہ کی تحریک اور چند صاحب نظر بزرگوں کے اشارہ پر قصبہ دیوبند میں بغرض تعلیم وتبلیغ تشریف لائے، اور محلّہ سرائے پیرزادگان میں قیام فرمایا، اور زندگی بھر دعوت وتبلیغ، اصلاح وارشاد اور تعلیم علوم میں ہمہ تن مصروف رہے، وہ مسجد جس میں سید ابراہیم صاحب کا مدرسہ اور خانقاہ تھی آج بھی موجود ہے، خود سید ابراہیم کا مزار بھی اسی محلّہ کی مسجد کے شمال میں واقع ہے، اسی خاندان کے آخری دور میں جو چند باکمال ہستیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے حضرت حاجی سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء) کا نام نامی سرفہرست ہے، جو دارالعلوم دیوبند کی تاسیس میں شریک اور اس کے سب سے پہلے مہتمم تھے، نیز جامع مسجد دیوبند کی تعمیر بھی انہی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ونتیجہ ہے، ان کے بے شمار کمالات واوصاف میں سے ایک خوبی پابندی جماعت تھی، نماز باجماعت کا زبردست اہتمام آپ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی، چنانچہ مسلسل اٹھائیس برس تک ان کی تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی، ۲۸/سال کے بعد ایک بار نماز فجر کی تکبیر اولی فوت ہوگئی، تو بقیہ تمام عمر ان کو اس کا سخت قلق اور نہایت افسوس رہا، اس خاندان میں بہت سے اہم افراد پیدا ہوئے، حضرت مولانا محمد میاں صاحب کا نسبی رشتہ بھی اسی خاندان سے وابستہ ہے، اس خاندان کے سلسلے خیرآباد، لکھنؤ، زیدپور، امروہہ وغیرہ میں جاری ہیں، سرسید مرحوم بانی

یونیورسٹی علی گڈھ بھی اسی خاندان میں سے تھے، ایک نام پر پہنچ کر سادات دیوبند و سرسید کا سلسلہ نسب ایک ہو جاتا ہے۔(۱)

دیوبند کی وجہ تسمیہ

دیوبند ضلع سہارنپور کا ایک قصبہ ہے، جہاں پر ایشیاء کی عظیم درس گاہ ''دارالعلوم'' قائم ہے، دیوبند کے متعلق مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ ''معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کا نام ''دیبن'' تھا، بعد میں دیوبند کہلانے لگا، جیسا کہ شیخ علاؤالدین چشتیؒ (م ۹۷۶ھ) کے ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے، ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی شیخ دانیال عثمانی (جو ساتویں صدی ہجری میں گزرے ہیں) کے لیے اپنے عقیدتمندانہ سلام میں ''دیبن'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ؎

شیخ عثمانی کہ بُد در پارسائی بے عدیل
نازل دیہہ مسنونہ اصل دیبن راسلام

میں نے اپنے رشتہ داروں سے ''دیوی بن'' نام بھی سنا ہے، وہ یہ کہتے تھے کہ اسی کا مسجع و مقفع نام یہ ہے'' دیوی بن برلب دریائے گنگ''۔

ہوسکتا ہے کہ قدیم زمانہ میں جہاں آبادی ہوگی، اس کے قریب سے دریائے گنگا کوئی بنی ہو، وہ حضرات یہ بھی فرماتے تھے کہ پہلے دریا قریب بہتا تھا، پھر دوسری طرف ہٹ گیا اور راستہ بدل گیا۔(۲)

آپ کا نام اور شجرہ نسب

آپ کا نام محمد میاں ہے، تاریخی نام مظفر میاں ہے، آپ کے خاندان کے حالات

(۱) مرآۃ الانوار شرح اردو مشکوۃ الآثار، از مولانا نسیم احمد غازی، صفحہ ۱۰۔

(۲) ماہنامہ رشید لاہور، دارالعلوم نمبر صفحہ ۳۰۷/حامد میاں)

''تاریخ دیوبند'' میں مذکور ہیں، نیز ''تذکرہ سادات رضویہ'' میں شجرہ نسب بھی ذکر کیا گیا ہے، مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے درمیان اڑتیس واسطے ہوتے ہیں، پورا شجرہ نسب اس طرح سے ہے:

مولانا سید محمد میاں بن سید منظور محمد بن سید یوسف علی بن سید محمد علی بن سید ظہور ولی بن محمد فردوس بن سید شاہ شبلی بن حضرت بندگی محمد اسماعیل بن حضرت سید محمد ابراہیم قدس اللہ سرہ بن سید سعد اللہ بن سید محمود قلندر بن سید احمد بن سید فرید بن وجیہ الدین بن علاء الدین بن سید احمد کبیر بن شہاب الدین بن حسین علی بن عبد الباسط بن ابو العباس بن اسحاق عندلیب المکی بن القاری حسین علی ہادی بن لطف اللہ بن تاج الدین احمد بن حسین بن علاء الدین بن ابی طالب بن ناصر الدین احمد بن نظام الدین حسین بن موسیٰ بن محمد الاعرج بن ابی عبد اللہ احمد بن موسی المبرقع بن امام محمد تقی بن امام موسی علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام ابی عبد اللہ الحسین بن سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بنت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔(۱)

اس شجرہ میں سید حسین علی بن عبد الباسط حمص (شام) سے ترک وطن کرکے ''اَوَش'' چلے گئے، وہاں سے دہلی آئے، حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا سے مرید ہوئے، کسب فیض کیا، اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کے مشائخ سے کسب فیض کیا، ان کے ساتھ رہے، پھر سندھ کے قدیم شہر بھکر میں اقامت گزیں رہے، اور وہیں بعہد سلطان جلال الدین خلجی وفات پائی، ان کا سال وفات ۶۹۵ھ ہے اور حضرت بابا فرید کا سنہ ۶۹۰ھ ہے، پھر ان کی اہلیہ اپنے دونوں خردسالہ بچوں شہاب الدین وغیرہ کو لیکر حمص واپس چلی گئیں۔

(۱) تذکرہ سادات رضویہ دیوبند، مصنفہ سید محبوب رضوی شائع کردہ علمی مرکز دیوبند صفحہ ۲۵/۳۰

''اوش'' فرغانہ کے علاقہ میں واقع ہے، یہی ظہیر الدین بابر کا بھی وطن تھا، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا بھی۔(۱)

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت جناب سید منظور محمد مرحوم کے گھر میں ہوئی، آپ خود لکھتے ہیں ''محمد میاں ولد سید منظور محمد عرف اچھے میاں مرحوم، والدہ محترمہ کا نام اکرام النساء بنت سید ریاض احمد، تاریخ پیدائش ۱۲؍رجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۴؍اکتوبر ۱۹۰۳ء بروز سنیچر، مسقط راس محلّہ پیرزادگان دیوبند ضلع سہارنپور''۔(۲)

بچپن اور تعلیم وتربیت

آپ کے بچپن اور تعلیم وتربیت کے متعلق آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید حامد میاں صاحب لکھتے ہیں: ''داداجان رحمۃ اللہ علیہ جن کا اسم گرامی منظور محمد تھا، ان کی طبیعت میں قناعت وصبر رچا ہوا تھا، مولانا راشد حسن صاحب عثمانی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے ان سے زیادہ خوددار نہیں دیکھا'' مولانا راشد حسن صاحب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے بھائی جناب حامد حسن صاحب رحمہما اللہ تعالی کے صاحبزادے تھے، ان کا یہ قول اس لئے زیادہ وزنی ہے کہ خود مولانا راشد حسن صاحب بھی نہایت عسرت کے دور سے گزرے تھے، جناب سید منظور محمد صاحب بسلسلہ ملازمت دیوبند سے باہر رہتے تھے، تو آپ بھی مع والدہ محترمہ (بنت سید ریاض احمد) انہیں کے ساتھ رہتے تھے، پانچ یا چھ برس کی عمر ہوئی تو والدین کو آپ کی تعلیم کی فکر ہوئی، موضع بچولہ ضلع بلندشہر جو داداجان رحمہ اللہ علیہ کا ہیڈ کوارٹر تھا، چھوٹا سا گاؤں تھا، جہاں کوئی تعلیمی ادارہ موجود نہیں تھا، والد صاحب کی نانی

(۱) تذکرہ سادات رضویہ دیوبند صفحہ ۴۔

(۲) ماہنامہ دارالعلوم مئی ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۱؍مضمون بعنوان اشتات سوانح محمد میاں۔

صاحبہ نے شفقت فرمائی اور آپ کے والدین کی درخواست پر بسم اللہ کرادی، وہ بہت صالحہ صابرہ وشاکرہ خاتون شمار ہوتی تھیں، ان کے یہاں دو ہی بچے ہوئے تھے، ایک آپ کی والدہ اکرام النساء اور دوسرے ماموں سید بشیر احمد (والد ماجد مولانا حافظ سید محمد اعلی صاحب) پھر نانا صاحب کا انتقال ہوگیا تھا، بیوگی کے عالم میں انہوں نے ان دونوں بچوں کی تربیت و پرورش کی، وہ صوم وصلاۃ کے علاوہ دیگر اوراد کی بھی پابند تھیں، سونے سے پہلے سورۂ ملک اور سورۂ واقعہ کے علاوہ ایک طویل مناجات پڑھنے کا معمول تھا، جس میں اللہ تعالی کے ننانوے نام ہیں۔

آپ کے والد ماجد اس تاریک قریہ میں تھوڑا عرصہ رہے، پھر موضع ٹنڈھیرہ ضلع مظفرنگر تبادلہ ہوگیا، جہاں دینی تعلیم کا مکتب تھا، آپ مکتب میں داخل کرادئے گئے، پھر آپ کے والد صاحب کا قصبہ بیسونہ تبادلہ ہوگیا، وہاں ایک صاحب، خلیل احمد نام کے تھے، پیشہ چرم دوزی تھا، مگر فارسی کی قابلیت بہت عمدہ تھی، آپ قرآن شریف ختم کرتے ہی موصوف کے حوالے کردئے گئے کہ موصوف فارسی پڑھائیں، مگر یہ سب عارضی انتظامات تھے، اور چونکہ تقریباً چھ ماہ بعد آپ کے والد صاحب کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا، تو یہ انتظامات بھی ناکافی رہتے تھے۔

خاندان کے نئے رواج کے مطابق آپ کو انگریزی پڑھانے کے لئے سرکاری اسکول میں داخل کرنا چاہتے تھے، مگر انگریزی تعلیم کے مصارف غیر قابل برداشت سمجھے گئے، اور یہی بہت بہتر ہوا، خداوند کریم نے ان کی اعلی ذہنی صلاحیت اپنے دین کے لئے قبول فرمائی، چنانچہ آپ کو دارالعلوم دیوبند کے درجہ فارسی میں داخل کردیا گیا، یہ غالباً ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے، درجات فارسی کی تکمیل کے بعد آپ درجات عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں فراغت ہوئی۔

حفظ قرآن کریم

بچپن میں حفظ کلام اللہ کی دولت حاصل نہ ہوسکی، پھر درس وتدریس کی مشغولیات نے موقع نہ دیا، آخر جہاد آزادی کے زمانہ میں متعدد جیل خانوں میں قیام کے دوران یہ سعادت حاصل ہوئی اور ۱۹۶۴ء میں تکمیل کے موقع پر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا۔(۱)

اہم اساتذہ

اپنے اہم اساتذہ کرام سے متعلق جن سے خصوصی طور پر مولانا سید محمد میاں نے فائدہ اٹھایا، ان کے متعلق خود رقمطراز ہیں کہ ''دورۂ حدیث میں میرے گراں قدر استاذ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) ہیں، جن کے فیوض علمی سے مجھ پر علم وحقیقت کی راہیں کھلیں''۔(۲)

محدث العصر علامہ کشمیری کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹) مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمان عثمانی (م ۱۳۴۷ھ) شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی (م ۱۳۷۴ھ) عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی (م ۱۳۶۴ھ) امام المعقولات حضرت مولانا غلام رسول بغوی ہزاروی (م ۱۳۳۷ھ) وغیرہم جیسے اساطین فضل وکمال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے آخری سندی سال میں سالانہ امتحان میں آپ کو جو نمبرات ملے، ان سے آپ کی صلاحیت وقابلیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، نمبرات کی نقل مندرجہ ذیل ہے:

---

(۱) ندائے شاہی اپریل، مئی ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۳۔

(۲) ماہنامہ دارالعلوم مئی ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۲۔

سند انعام امتحان سالانہ

سند انعام امتحان سالانہ دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور بابت ۱۳۴۳ھ

نمبر شمار	نام طالب علم بقید سکونت	نام کتاب جس میں امتحان ہوا	نمبر حاصل کردہ	درجہ امتحان	قسم امتحان	نام کتاب جو انعام میں ملی	مہتمم مدرسہ
۲	مولوی محمد میاں	بیضاوی شریف	۵۲	اعلیٰ	تحریری	کتاب	العبد حبیب الرحمٰن
	دیوبندی	بخاری شریف	۵۱	//	//	انوار احمدیہ مع	
		طحاوی شریف	۵۱	//	//	ملا جامی	
		نسائی شریف	۵۱	//	/		
		ترمذی شریف	۵۱	//	//		
		مسلم شریف	۵۰	اول	//		
		ابن ماجہ شریف	۵۰	//	//		
		موطا امام مالک	۵۰	//	//		
		شمائل ترمذی شریف	۵۰	//	//		
		موطا امام محمد	۵۰	//	//		
		ابوداؤد شریف	۴۸	دوئم	//		
		رشیدیہ	۴۴	سوئم	//		

بیعت وسلوک

مولانا مرحوم، قطب دوراں شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ (م ۱۹۵۷ء) کے دست حق پر بیعت تھے، اوراد و وظائف کے

نہایت پابند تھے، باجماعت نماز مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، اپنے پیرومرشد کی طرح اتباع سنت آپ کا شیوہ تھا، یقیناً آپ اسلاف کی یادگار تھے۔

سلوک واحسان کی تکمیل

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد میاں لکھتے ہیں کہ ''جب ہم ۱۹۳۴ء میں مرادآباد آئے، تو مجھے اس وقت سے یاد ہے کہ مغرب بعد (والد صاحب) پابندی سے ذکر جہر کیا کرتے تھے، صبح کو ورزش بھی کرتے تھے، ذکر و جہاد اور علم و تبلیغ کے جامع تھے۔

حضرت اقدس مدنی قدس سرہ نے والد ماجد کی تعلیم سلوک ۱۹۶۳ء کے قریب قریب مکمل فرمادی تھی، سلوک کا آخری سبق ''اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ'' ہے، جسے احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور اہل طریقت اس مراقبہ کا نام مراقبہ ذات مقدسہ، مراقبہ ذات بحث اور لاتعین وغیرہ رکھتے ہیں، جیسے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''التکشف'' میں تحریر فرمایا ہے۔

مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول صفحہ ۳۴۳ مکتوب نمبر ۱۳ سے جو مولانا مظفر صاحب دیوبندی کے نام مکاتیب ہیں اور وہ ۱۹۴۴ء میں نینی جیل (الہ آباد) سے تحریر فرمائے گئے ہیں، اسی مضمون کے ہیں، پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ والد ماجد رحمہ اللہ کا تاریخی اسم مبارک ''مظفر میاں'' تھا (اور میرے چچا کا نام مظفر علی ہے) والد صاحب کی طبیعت میں اخفاء حال ودیعت رکھا گیا تھا، اس لئے اپنا مشہور نام طبع نہیں کرایا۔

بہرحال حضرت اقدس مدنی تحریر فرماتے ہیں: ''اَمَّامَاذَكَرْتُمْ مِنَ الذِّكْرِ وَمُشَاهَدَةِ الْقَلْبِ فَمُبَارَكٌ، زَادَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْمَسَاعِي وَالْمُشَاهَدَاتِ''

بہرحال ذکر قلبی اور مشاہدہ جیسا کہ تذکرہ آپ نے کیا ہے تو وہ مبارک ہے، اللہ تعالی ان مساعی اور مشاہدات میں ترقی دے۔

اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر ہے: فَعَلَيْكَ يَا اَخِيْ بِتَوْجِيْهِ الْقَلْبِ اِلَى الذَّاتِ

الْبَحْتِ مَهْمَا اَمْکَنَ، فَاِنَّ ذِکْرَ اللِّسَانِ لَقْلَقَةٌ وَذِکْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ وَذِکْرُ الرُّوْحِ هُوَالذِّکْرُ . لہٰذا برادرمن تم پر لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے ذات مقدسہ کی طرف دل کو متوجہ رکھو، اس لئے کہ زبان کا ذکر لقلقہ ہے، اور قلب کا ذکر وسوسہ ہے، اور روح کا ذکر ہی اصل ذکر ہے، یہ مکتوب گرامی ۱۹؍ربیع الاول ۱۳۶۳ھ کا ہے، پھر مکتوب گرامی ۱۴؍ میں اس کی مزید تشریح فرما کر بتلا دیا ہے: ''اَمَا الذِّکْرُ الرُّوْحِیُ فَذٰلِكَ التَّوَجُّهُ بِالْقَلْبِ اِلَی الذَّاتِ الْبَحْتِةِ الَّتِیْ مُنْتَزِهَةٌ عَنِ الْکَمِّ وَالْکَیْفِ وَسَائِرِ الْاَعْرَاضِ'' ۔

ذکر روحی قلب کی توجہ کا نام ہے حضرت حق جل مجدہ کی ذات خاص کی طرف جو کم اور کیف اور جملہ اعراض سے پاک ہے، اسلام میں سب سے بڑی نعمت اسی مراقبہ کا حصول ہے، اسی کا نام معرفت ہے، یہی وصول الی اللہ ہے، یہی سلوک کا آخری سبق ہے، یہیں سے سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے، خداوند کریم نے ان کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا تھا، خدا کرے اب عالم آخرت میں بھی اس کے ''صلاۃ'' کا سلسلہ جاری ہو۔(۱)

---

(۱) قلمی تحریر از مولانا سید حامد میاں صاحب

دوسرا باب

درس وتدریس، مدرسہ حنیفہ آرہ شاہ آباد
مدرسہ شاہی مرادآباد اور مدرسہ امینیہ دہلی میں

درس وتدریس

مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد میں

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ کی جامعیت، اعلیٰ قابلیت اور کمال استعداد کا شہرہ تھا، جوہر شناس اساتذہ کرام نے آپ کو مدرسہ عالیہ کلکتہ کی شاخ مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد صوبہ بہار، بھیج دیا، جہاں سے تدریس کا سلسلہ شروع ہوا، چند سال قیام کے بعد طبیعت کی عدم مناسبت کی وجہ سے واپس آگئے، جانے اور آنے کا واقعہ آپ ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

''مارچ ۱۹۲۶ء میں کلکتہ میں جمعیۃ علماء ہند کا ساتواں اجلاس زیر صدارت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہوا تھا، حضرت علامہ انور شاہ صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کے جملہ اکابر اس میں شامل ہوئے، واپسی پر آرہ شاہ آباد کے اسٹیشن پر مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد کے ارکان نے صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ کشمیری سے ایسے مدرس کی فرمائش کی جو عربی تقریر وتحریر کی مشق اور خصوصاً فن ادب کی اونچی کتابیں پڑھا سکے، حضرت موصوف دیوبند واپس ہوئے، تو حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کے مشورے سے اس خدمت کے لیے احقر کو منتخب کیا گیا، احقر نے تقریباً ساڑھے تین سال آرہ میں قیام کیا، اول اول کچھ مشکلات پیش آئیں، پھر نہ صرف مدرسہ کے حضرات بلکہ شہر کے بھی بہت سے حضرات احقر سے مانوس ہوگئے، صوبہ بہار کے دوسرے اضلاع کے علماء اور بزرگوں سے کچھ تعارف ہوگیا، مگر احقر اس مدرسہ سے خاطر برداشتہ رہا، کیونکہ اس مدرسہ کو سرکاری ایڈ ملتی تھی، اور بہار یونیورسٹی کے درجات فاضل وغیرہ

کی تیاری بھی یہاں کرائی جاتی تھی، یہ دونوں باتیں دارالعلوم کے اصول کے خلاف تھیں، احقر کے اکابر جو دارالعلوم کے بااثر اور بارسوخ حضرات تھے، انہوں نے وقتی طور پر احقر کا انتخاب فرمایا تھا، اور اس میں شک نہیں کہ اگر احقر وہاں کچھ عرصہ اور قیام کرتا تو شمس الہدی پٹنہ میں پروفیسر ہوسکتا تھا، اور یہ بھی ممکن تھا کہ پروفیسر ہونے کے بعد پرنسپل بھی ہوجاتا۔(۱)

مدرسہ شاہی میں تشریف آوری

مدرسہ حنیفہ آرہ سے علیحدگی کے بعد ۱۹۲۹ء میں آپ زیب دہ مسند تدریس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ہوئے، واقعہ کی تفصیل مولانا مرحوم ہی سے سنئے، وہ لکھتے ہیں کہ:

''احقر کسی ایسے مدرسہ کی خدمت کا خواہاں تھا، جو دارالعلوم دیوبند کی طرح سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک ہو، حسن اتفاق کہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں ایک ایسے استاذ کی ضرورت ہوئی، جو درجات علیا کی تعلیم دے سکے، تو دیوبند کے اکابر خصوصاً حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے احقر کی سفارش فرمادی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے اس سفارش کی تائید فرمائی، اور مجھے تحریر فرمایا کہ اب ایسے مدرسہ میں بھیجا جارہا ہے جو علم کا مرکز ہے، احقر ۱۹۲۹ء کے مارچ میں مدرسہ شاہی پہنچا، یہ وہ زمانہ تھا کہ سائمن کمیشن (Simon Commission) (۲) ہندوستان پہنچ کر ناکام واپس ہوا تھا۔

مدرسہ شاہی کی فضا احقر کے مزاج کے مطابق تھی، دارالعلوم دیوبند کی طرح یہ مدرسہ بھی سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک تھا، اس مدرسہ کے صدرالمدرسین حضرت مولانا فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیۃ علماء

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مئی ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۲۔

(۲) برطانوی حکومت کا یہ کمیشن ۳؍فروری ۱۹۲۸ء کو ساحل بمبئی پر اترا، اور ۳۱؍مارچ ۱۹۲۹ء کو ناکام واپس ہوا، اس کمیشن کا مقصد بقول رئیس احمد جعفری یہ تھا کہ ''ہندوستان کو پھر مجلس آئین واصلاح ورعایت حقوق کا شیریں مگر خواب آور شربت پلادیا جائے، تاکہ ایک عرصہ دراز تک یہ مرغ زریں بال اسیر دام رہے۔ (بیس بڑے مسلمان، تاریخ شاہی نمبر ۳۸۶)

ہند کے صدر رہوئے، مولانا موصوف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے خاص شاگرد اور سیاسی خیالات میں ان کے پختہ معتقد تھے، آپ کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا، اور حضرت علامہ کی تحقیقات علمیہ کا بڑا ذخیرہ آپ کے سینہ میں محفوظ تھا، تحریک خلافت میں اگرچہ جیل نہیں گئے مگر کام بہت کیا، زیادہ تر آپ ہی کی خدمات تھیں جن کی وجہ سے مدرسہ شاہی نے سیاسی تحریک کے سلسلہ میں خاص امتیاز حاصل کیا۔

حضرت شیخ الادب کا مکتوب بنام ارباب مدرسہ شاہی

مولانا محمد میاں کے تقرر سے متعلق حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی نے مدرسہ شاہی کے ارباب انتظام کے نام جو گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا، اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"براہ راست مولانا مولوی سید محمد میاں صاحب سرائے پیرزادگان دیوبند کے نام ہے، ان کی تنخواہ کی تصریح فرمادیں کہ شوال کی فلاں تاریخ کو مرادآباد آجائیں، مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ آپ ان کو بہت زیادہ محنتی اور اوصاف حسنہ سے موصوف پائیں گے"۔

خادم مکم محمد اعزاز علی عفی عنہ

اس خط سے اساتذہ کی نگاہ میں آپ کی وقعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔(۱)

مدرسہ شاہی سے تاعمر رشتہ ارتباط

رجسٹر کارروائی اجلاس مجلس شوری مدرسہ شاہی اور اس کی رودادوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بزمانہ اہتمام الحاج سید مرتضی علی مرحوم ماہ شوال ۱۳۴۷ھ مارچ ۱۹۲۹ء میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے، اور اجلاس مجلس شوری منعقدہ ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ میں باضابطہ توثیق تقرری ہوئی، پھر مدرسہ شاہی کی علمی اور انقلابی فضا آپ کو ایسی راس آئی کہ یہ وابستگی دوامی ثابت ہوئی اور اس گلشن قاسمی کی بہاروں نے ایسا مسحور کیا کہ تاعمر رشتہ ارتباط کو باقی رکھا،

تاریخ شاہی نمبر صفحہ ۱۷۴۔

مدرس، مفتی، منتظم، مہتمم اور ممبر شوری وعاملہ کی حیثیت سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ شاہی کا زریں باب ہے، مدرسہ شاہی کا یہ عہد زریں تھا کیونکہ آپ کے علاوہ حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ متوفی ۱۳۵۴ھ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین احمدؒ جیسی باکمال ہستیاں اس کو دارالعلوم ثانی بنائے ہوئے تھیں، یہ مدرسہ شہرہ آفاق کا حامل ہوگیا تھا، طالبان علوم کشاں کشاں آکر فیضیاب ہورہے تھے، اس درسگاہ نانوتوی میں تقریباً ۱۶ر سال علم کے دریا بہاتے رہے، مختلف علوم وفنون کی کتابیں بالخصوص ہدایہ اور مسلم شریف زیر درس رہیں، ایک عرصہ تک فتاوی بھی آپ تحریر فرماتے رہے۔

مدرسہ شاہی سے چھ ماہ کی رخصت

درس وتدریس کے ساتھ مولانا کی سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رہیں، تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی اور ''بجرم عشق حریت'' قید وبند کا سلسلہ بھی، اولاً ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کی خدمت کے لئے دہلی تشریف لائے، پھر ہنگامہ ۱۹۴۷ء کے بعد مستقلاً دہلی کا قیام اختیار کیا۔

مولانا خود تحریر فرماتے ہیں مجاہد ملت (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند متوفی ۱۹۶۲ء) زمانہ اسارت (۱) میں احقر سے اتنے مانوس ہوگئے تھے کہ پھر احقر کو اپنی قید سے رہا کرنا گوارا نہ کیا، ۱۹۴۵ء میں حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کو ساتھ لیکر مرادآباد پہنچے اور مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی اور صدر مدرس حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمہما اللہ سے اصرار کرکے مدرسہ شاہی سے چھ ماہ کی رخصت دلوائی، اور دہلی لے آئے، حضرت مجاہد ملت تیار نہیں تھے، مگر احقر کو سلسلہ درس ترک کرنا گوارا نہیں تھا، چھ ماہ بعد واپس ہوگیا، لیکن چند روز بعد ۱۹۴۷ء کا مشہور ہنگامہ ہوگیا، ابتدا ہنگامہ میں تو حالت یہ تھی کہ دہلی میں کسی طرف سے بھی کسی مسلمان کا آنا خودکشی کے مرادف تھا، لیکن جیسے ہی دہلی پہنچنے کا موقع ملا، احقر دہلی آگیا، اور یہاں آکر محسوس کیا کہ اس وقت مجاہد ملت جو

(۱) مرادآباد اور بریلی کی جیلوں میں یہ اسارت کی رفاقت اکتوبر ۱۹۴۲ء تا اپریل ۱۹۴۴ء رہی۔

خدمت انجام دے رہے ہیں، وہی بہترین خدمت بلکہ افضل ترین جہاد ہے، لہٰذا احقر نے دہلی ہی میں اس وقت تک قیام کا ارادہ کرلیا جب تک مجاہد ملت کو ضرورت ہو، اس طرح تقریباً ۱۴؍سال گزر گئے۔

احقر کا مقام مدرسہ شاہی ہے

مجاہد ملت رحمہ اللہ نے بارہا فرمایا کہ وہ (جمعیۃ علماء کی) نظامت علیا سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں، یہ ذمہ داری احقر منظور کرلے، مگر احقر کا جواب یہی ہوتا تھا کہ احقر اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے مدرس ہے، آپ کی امداد کے لئے خدمت درس ترک کئے ہوئے ہے، نظامت سے طبعاً دلچسپی نہیں ہے، آپ کو اگر امداد کی ضرورت نہیں تو احقر کا مقام ''مدرسہ شاہی'' ہے، نظامت علیا نہیں، بہرحال نتیجہ یہ ہوا ''آں قدح بشکست وآں ساقی نماند''۔(۱)

مدرسہ شاہی کے صدر مہتمم

الحاصل ۱۹۴۷ء کے بعد آپ دہلی کے ہو رہے، مگر مدرسہ شاہی سے تعلق ختم نہ ہوا، بلکہ اب تک مدرس تھے، اب مجلس شوریٰ کے رکن بنادئے گئے، پھر ۱۳۸۰ھ میں مولانا محمد نقی صاحب دیوبندی کے وصال کے بعد آپ کو اعزازی مہتمم بنایا گیا، اور تادم واپسیں ۱۳۹۵ھ تک آپ نے مدرسہ شاہی کے صدر مہتمم رہ کر مدرسہ کو پروان چڑھایا۔(۲)

مدرسہ شاہی مرادآباد کا تعارف

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مدرسہ شاہی مرادآباد کے علمی وفکری حالات کا کچھ خاکہ

---

(۱) روزنامہ الجمعیۃ دہلی خصوصی اشاعت بموقع اجلاس بست وسوم جمعیۃ علماء ہند ۵؍مئی ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۳۰ مضمون بعنوان ''خودنوشت نوا''۔

(۲) ازروداد ہائے مدرسہ شاہی مرادآباد۔

پیش کردیا جائے:

جامعہ قاسمیہ مرادآباد جسے عرفا مدرسہ شاہی کہا جاتا ہے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا قائم کردہ ہے، اس کا نام حضرت نے مدرسۃ الغرباء رکھا تھا، جس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی اپیل پر جس نے سب سے پہلے چندہ دیا تھا وہ کوئی نیک بخت مسافر تھا، پھر حضرت کی نسبت سے اس کا نام جامعہ قاسمیہ ہوگیا، اور چونکہ یہ مدرسہ شاہی مسجد میں تھا، اس لئے اسے شاہی مدرسہ بھی کہا جاتا ہے، مدرسہ میں جو نام کندہ کرایا گیا ہے، یہ ہے ''مدرسۃ الغرباء جامعہ قاسمیہ واقع شاہی مسجد'' یہ مدرسہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء ماہ صفر سے جاری ہوا، سب سے پہلے مدرس مولانا سید احمد حسن صاحب امروہوی تھے، جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (۱) کے شاگرد رشید تھے، انہوں نے تدریس کا آغاز کیا، تنخواہ ۳۵/روپئے ماہانہ مقرر کی گئی تھی۔ (۲)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ نے ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ کا سالانہ امتحان لیا تو تعلیمی حالت سے خوش ہوکر فرمایا ''اگر چند سال ایسی صورت رہی تو یہ مدرسہ تمام مدارس عربیہ میں مثل مدرسہ دیوبند نہایت نام آور اور مشہور ہوگا۔ (۳)

اس مدرسہ سے بہت بڑے بڑے حضرات فارغ التحصیل ہوئے، حضرت مولانا حافظ

---

(۱) مولانا رحمت اللہ صاحب بہت بڑے مناظر تھے، عیسائیوں کے پاس ان کا جواب نہ تھا، انگریز ان کی جان کے دشمن ہوگئے، انہوں نے یہ دیکھ کر سفر ہجرت کیا، مکہ مکرمہ میں قیام اختیار فرمالیا، وہاں مدرسہ صولتیہ شروع کیا، اظہار الحق نامی کتاب تحریر فرمائی، جو عربی میں دو جلدوں میں ہے، اور عیسائی مذہب کے بارے میں اعلیٰ ترین مناظرانہ کتاب شمار ہوتی چلی آرہی ہے، مصر میں پادری فنڈر کے مناظرہ میں علماء مصر کو تشویش ہوئی تو آپ کو مکہ مکرمہ سے بلایا، آپ نے فرمایا کہ اسے میرے آنے کی خبر نہ دیں ورنہ مناظرہ کو ٹلا جائے گا، ایسے ہی ہدایت پر عمل کیا، وہ جب بالکل لاجواب ہوگیا، تو اس نے اگلے دن جوابات دینے کے لیے مہلت مانگی اور رات کو خودکشی کرلی، یہ اس زمانہ میں عیسائیوں کا سب سے بڑا چرب زبان پادری تھا، مولانا رحمت اللہ صاحب کی وفات یکم مئی ۱۸۹۱ء مطابق ۱۳۰۸ھ کو مکہ مکرمہ میں ہوئی، وہیں جنت المعلّٰی میں مدفون ہیں۔

(۲) از روداد ۱۲۹۶ھ

(۳) از روداد مدرسہ ۱۳۰۰ھ

محمد احمد صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) ابن حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب قدس سرہ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا ریاض الدین صاحب افضل گڑھی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالغفور صاحب غزنوی قاضی القضاۃ غزنی، مولانا محمود طرزی وزیراعظم افغانستان، حضرت مفتی محمود صاحب سرحدی پاکستانی، حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ، مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری اور دیگر بہت بڑے بڑے اکابر اسی مدرسہ کے فارغ شدہ ہیں۔

آپ کا طریقہ تدریس

شاگرد اپنے استاذ کے طرز القاء اور طریقہ تدریس سے زیادہ واقف ہوتا ہے، اس لئے اس کی شہادت زیادہ معتبر ہے، مولانا محمد میاں صاحب کے ایک شاگرد مولانا اسیر ادروی لکھتے ہیں کہ ''استاذ محترم حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم لوگوں کو ترمذی شریف پڑھاتے تھے، استاذ موصوف رواں دواں بولنے والے نہیں تھے، کچھ مستثنیات کو چھوڑ کر بالعموم یہی دیکھا گیا ہے کہ صاحب قلم اچھا مقرر نہیں ہوتا، تقریر یا افہام وتفہیم میں اس کی زبان اتنی رواں دواں نہیں ہوتی جتنا راں دواں اس کا قلم ہوتا ہے، استاذ موصوف کا درس ترمذی بھی اتنا ہی سادہ تھا، البتہ شمائل ترمذی میں ان کی تقریر بہار آفرین اور ان کی زبان پھول برساتی تھی، کیونکہ وہ عربی ادب کا شاہکار ہے، اور آپ اردو ادب کے ماہر اور صاحب طرز اہل قلم تھے، اس وقت مولانا موصوف کے تصنیفی مشاغل شباب پر تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شب وروز ان کا قلم برق رفتاری سے چلتا رہتا ہے، آپ اردو تحریر میں ایک خاص طرز تحریر کے مالک تھے، چھوٹے چھوٹے جملے ادب وانشاء کے شاہکار رہتے اور تحریر میں ادب کی چاشنی لطف دے جاتی تھی۔(۱)

(۱) تاریخ شاہی نمبر ۴۶۵۔

آپ کا تقوی اور طلباء کی ذہن سازی کا ایک واقعہ

آپ ورع وتقوی کے اعلی مقام پر فائز اور اخلاص کے پیکر تھے، مدرسہ کے وقت کے علاوہ ملی خدمات انجام دیتے تھے، اور مدرسہ کیوقت میں اگر کچھ تاخیر ہوجاتی تو اس کی تنخواہ حساب لگا کر وضع کروایا کرتے تھے، طلبہ کو خاص انداز پر تربیت دینے کا بہترین ملکہ حاصل تھا، ایک مرتبہ ۱۹۴۲ء میں ہدایہ کا سبق پڑھانے کے لیے تشریف لائے، کتاب کی ابتداء تھی اور Quit India ''کوئٹ انڈیا'' ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک شروع ہوچکی تھی، آپ نے درس گاہ میں آتے ہی فرمایا کہ پتہ نہیں، ہوسکتا ہے، کل ہندوستان آزاد ہوجائے، اسلامی حکومت قائم ہو، اور قاضیوں کے تقرر کی ضرورت پیش آئے، لہٰذا پہلے کتاب القضا پڑھ لو، اور یہ فرما کر کتاب القضاء کا سبق شروع فرمادیا، اس سے طلبہ کا ذہن کیسا بنا ہوگا، آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔(۱)

آپ طلبا کی سیاسی تربیت اور ذہن سازی فرماتے تھے

مولانا اشفاق حسین صاحب قاسمی تحریر کرتے ہیں کہ ''مدرسہ شاہی میں تحریک آزادی کے دور میں ایسے حضرات اساتذہ کرام موجود تھے، جو حریت پسند، آزادی کے شیدائی، انگریزی عروج کے سخت مخالف اور اخلاص کے پیکر تھے۔

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب، حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب، یہ حضرات تحریک آزادی کے روح رواں تھے، جن کا حال یہ تھا کہ ان کو درس وتدریس میں مشغولیت اور اوقات فارغہ میں مرادآباد کے محبان وطن کے ساتھ مشوروں میں شرکت اور تحریک آزادی کو کامیاب بنانے میں مشغولی، شب کو محلوں میں وعظ وتقریر، سیاسی جلسوں میں شرکت

(۱) تاریخ شاہی نمبر ۳۹/۴۰۔

وتقریریں، غرضیکہ ایسی دھن تھی جس میں دن رات انہماک اور مشغولیت تھی، ادھر اوقات درس میں طلباء کے اندر آزادی وطن کا جذبہ پیدا کرنے والی، اور طلباء کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلوانے والی ولولہ انگیز تقریریں ہوتی تھیں، جس نے طلبہ کے دلوں کو گرما دیا تھا۔

حضرات اساتذہ کرام کے حکم پر اپنی جانوں کو قربان کر دینے کے جذبات پیدا ہو گئے، خصوصاً حضرت مولانا محمد میاں صاحب کا معمول تھا کہ روزانہ ہی کسی نہ کسی انداز سے طلبہ کی سیاسی تربیت اور ذہن سازی فرماتے تھے، چنانچہ طلبہ وطن عزیز کی آزادی کو اپنا فریضہ مذہبی سمجھنے لگے تھے، اس کی ایک جھلک قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔(۱)

سنہ ۳۲-۳۰ء کی تحریک اور مدرسہ شاہی کا ایک طالب علم زخمی

مرادآباد میں ۳۲-۱۹۳۰ء کا زمانہ تحریک آزادی کا نقطہ عروج ہے، مدرسہ شاہی اس تحریک کا مرکز ہے، اور اساتذہ وطلباء تحریک آزادی وطن کے قائد اور نمائندہ کی حیثیت سے ضلعی اور صوبائی سطح پر سامنے آتے ہیں، اور وطن کو غلامی سے گلوخلاصی کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈالدئے جاتے ہیں، مرادآباد میں میونسپلٹی کی انتخابی مہم شروع ہوئی تو کانگریس اور جمعیۃ علماء مرادآباد نے اس الیکشن کے بائیکاٹ کا اعلان کیا، اور ٹاؤن ہال پہنچ کر ووٹروں کو ووٹ دینے سے باز رکھنے کی کوشش کی، تو حکام نے گولیاں چلانے کا حکم صادر کر دیا، ٹاؤن ہال کے میدان میں اس وقت حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی، حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب رحمہم اللہ تعالی اجمعین موجود تھے، اسلحوں کے دھانے آتشیں شعلے اگلنے لگے، جس کی وجہ سے لوگ زخمی ہوئے، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب زخمیوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر ہسپتال پہنچا رہے تھے، اسی درمیان میں مدرسہ شاہی کے قابل اعتماد فرزند جناب مولانا فضل الرحمٰن کٹکی متعلم مدرسہ شاہی زخمی ہوئے۔

(۱) تاریخ شاہی نمبر صفحہ ۴۸۷۔

اسلام کو کس کی چھری نے ذبح کیا؟

مولانا اشفاق حسین قاسمی تحریر کرتے ہیں: ''حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مرحوم نے ایک مضمون لکھا ''اسلام کو کس کی چھری نے ذبح کیا'' جس کو جامع مسجد دہلی میں ایک نمائندہ جلسہ میں پیش کرنا تھا، اس سے قبل مرادآباد جامع مسجد میں مولانا محمد میاں صاحب انگریزوں کے خلاف تقریر کر چکے تھے، اور اس مضمون کی بھنک بھی حکام کے کان میں پڑ چکی تھی''۔

اس کے بعد آپ دہلی جانے کے لیے جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے تو شاہی مسجد سے کچھ آگے چوراہے گل پر گرفتار کرلیا گیا، اس وقت کھدر کی شیروانی زیب تن کئے ہوئے تھے اور ہلکے بادامی رنگ کا عمامہ سر پر باندھے ہوئے تھے اور گلے میں حمائل شریف ڈال رکھی تھی، آپ نے کسی نہ کسی طرح حکام کی نظروں سے بچتے ہوئے، مولانا فضل الرحمٰن کٹکی (جو اس وقت مدرسہ میں زیر تعلیم تھے، اور حضرت مولانا کے سیاسی تربیت یافتہ جوشیلے نوجوان تھے) کو بلایا اور یہ مضمون ان کے حوالہ کیا کہ کسی طرح بھی ممکن ہو سکے آپ تاریخ مقررہ میں دہلی جامع مسجد پہنچ کر یہ مضمون سنا دیں، چنانچہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے یہ ذمہ داری بحسن خوبی انجام دی، اور آپ دہلی پہنچے وہاں منتظمین جلسہ حضرت مولانا محمد میاں کے منتظر تھے، کیونکہ آپ جمعیۃ علماء کی طرف سے ڈکٹیٹر بنائے گئے تھے، مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ان کی گرفتاری کی اطلاع دی اور یہ کہا کہ مولانا نے مجھے اپنی جگہ ڈکٹیٹر بنا کر بھیجا ہے، چنانچہ آپ نے جمعہ کی نماز کے بعد حکومت برطانیہ کے خلاف ایک جوشیلی تقریر کی اور اس کے بعد حضرت مولانا مرحوم کا مضمون ''اسلام کو کس کی چھری نے ذبح کیا'' سنایا، اس مضمون کا پڑھنا تھا کہ عوام میں غیر معمولی جوش پیدا ہوا، حکام کی غضبناک نگاہیں مولانا پڑ رہی تھیں کہ کب تقریر ختم کریں اور کب دروازہ سے نکلیں، چنانچہ مولانا جلسے سے فارغ ہو کر جیسے ہی دروازہ پر پہنچے، انہیں گرفتار کر کے ملتان جیل بھیج دیا گیا، یہ عجیب اتفاق ہوا کہ مولانا محمد میاں صاحب

کو بھی مرادآباد سے گرفتار کر کے ملتان جیل بھیج دیا گیا تھا، وہاں اس وقت اکابرین ملت، زعماء اسلام اور جمعیۃ علماء کے کلیدی عہدہ دار نظر بند تھے، مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو دو سال بامشقت قید ہوئی، چنانچہ دو سال کے بعد آپ رہا ہوکر مرادآباد پہنچے اور وہاں سے آزادی وطن عزیز کا نیا جذبہ لے کر آئے، آپ نے آکر بقیہ تعلیم پوری کی۔(۱)

آپ کا درس اطمینان بخش تھا

مولانا محمد میاں کے درس کے متعلق اور طلبہ کے ان سے مطمئن ہونے کے متعلق مدرسہ شاہی کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب نے ۱۹۴۲ء کی مدرسہ شاہی کی تعلیمی رپورٹ جو پیش کی تھی، اس میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی توثیق فرمائی، ان کا بیان ہے۔

''احقر ناظم بلحاظ درجات اسباق کی تقسیم میں حتی الوسع معلم اور متعلم دونوں جانب کی سہولت کا لحاظ رکھتا ہے، کہ مدرس کا درجہ بھی محفوظ رہے اور کتاب بھی اچھی ہو، طلبہ کو معقول شکایات کا موقع بھی نہ ملے، جا و بے جا شکایتیں تو قریب قریب ہر معلم کی احقر کو پہنچتی رہتی ہیں، اس بارے میں تو مولانا عجب نور صاحب اور مولانا محمد میاں صاحب ہی کو خوش نصیب کہا جاسکتا ہے، کہ ان کی تعلیمی شکایت کچھ بھی نہیں؛ لیکن مشکوالیہ کا فرض ہے کہ شکایات کے اسباب اور شاکی کے حالات پر غور کرے، نہ ہر شکایت قابل سماعت ہے، اور نہ ہر شاکی تہمت سے بری۔(۲)

مدرسہ شاہی میں زیر درس کتب اور فتوی نویسی

۱۳۵۸ھ میں درس نظامی کی اعلی کتابوں، مسلم شریف، ترمذی شریف، مشکوۃ شریف،

(۱) تاریخ شاہی نمبر صفحہ ۸۹-۴۸۸۔

(۲) تاریخ شاہی نمبر ۶؍۴۳۵۔

ہدایہ اخیرین، مختصر المعانی، مقامات حریری وغیرہ کے ساتھ ساتھ افتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کردی گئی، آپ نے نہایت محنت اور دلجمعی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا اور ۱۳۵۸ھ سے ۱۳۶۶ھ تک ۴۵۸ / فتاوی بقلم خود رجسٹر نقول فتاوی میں درج فرمائے، ''یہ فتاوی ایک عظیم علمی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی ترتیب واشاعت کی تیاری جاری تھی، مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کام کررہے تھے، مگر اہل شوری نے کسی وجہ سے روک دیا، ایک جلد کے بعد کام آگے نہ بڑھ سکا اور وہ بھی چھپ نہ سکی''۔(۱)

مرادآباد سے تعلق

مولانا حامد میاں لکھتے ہیں کہ'' والد صاحب تقریباً سولہ سال مرادآباد رہے، اور جماعتی کام اور تصانیف اسی دور میں شروع فرمائیں، اس لئے عموماً لوگ انہیں مرادآبادی سمجھنے لگے، ان سے اہل مرادآباد کے تعلق کا یہ حال تھا کہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ان کو مرادآباد کا ''بے تاج بادشاہ'' فرمایا کرتے تھے، اہل مرادآباد کی پرخلوص محبت ہی تھی کہ والد صاحب کی وجہ سے مرادآباد آنے والے رشتہ دار اب تک وہیں ہیں، اور بعض حضرات وہیں کے پیوند خاک ہوگئے۔

۱۹۳۴ء میں جیل جانا ہوا، رہائی کے بعد مرادآباد میں کرایہ پر مکان لیا اور سب اہل خانہ کو محترم داداجان اور دادی صاحبہ سمیت دیوبند سے بلالیا، میں نے دیوبند میں جناب مولانا قاری اصغر علی صاحب سے الف با کا قاعدہ شروع کیا تھا، مرادآباد آنے پر قرآن کریم شروع کیا''۔

غیر متعلق کتابیں بھی یاد تھیں

والد صاحب کا حافظہ بہت قوی تھا، غیر متعلق کتابیں بھی یاد تھیں، میں نے ان سے صرف ایک کتاب پڑھی ہے ''مقامات حریری'' ورنہ ادب کی تعلیم حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمہ اللہ سے حاصل کی ہے، لیکن اگر میں والد صاحب سے مقامات نہ پڑھتا تو لغت

(۱) تاریخ شاہی نمبر ۱۷۴۔

میں دقت نظر جو ہمارے ہندو پاک کا خصوصی حصہ چلا آ رہا ہے نہ پیدا ہوتی۔
''مقامات'' پر والد صاحب کی تعلیقات ہیں جو بیشتر ''فقہ اللغۃ للثعالبی'' سے لی گئی ہیں لیکن یہ سب ان کو اتنی یاد تھیں کہ مطالعہ کے لئے صرف ایک نظر ڈالا کرتے تھے اور اثناء درس تمام تفاصیل دہرا دیا کرتے تھے، جو از بر تھیں، اسی طرح اور بھی درسی کتب پر تعلیقات ہیں، جو انہوں نے پڑھائی ہیں، ان کے علاوہ کافی کافی ضخیم نوٹ بکیں علیحدہ ہیں، یہ سارا علمی ذخیرہ غیر مطبوعہ ہے۔

کھانے کا وقت بھی ڈبل کاموں میں صرف کرتے تھے

دوپہر کے وقت گھر جانے کے بجائے جو محلّہ مغل پورہ مرادآباد میں تھا، مدرسہ ہی میں وقت گزارتے اور افتاء کا کام انجام دیتے، میں گھر سے کھانا لے آتا تھا، کھانے کا وقت بھی ڈبل کاموں میں صرف فرماتے تھے کہ ظہر کے بعد کے اسباق کا مطالعہ ساتھ ساتھ فرماتے، انہیں شام کے سبق پڑھانے کے لئے اتنا مطالعہ کافی ہوتا تھا، اور صبح کے وقت کے اسباق کا مطالعہ نماز فجر کے بعد تلاوت وذکر بارہ تسبیح سے فراغت کے بعد چائے پیتے وقت فرماتے تھے، میں نے والد صاحب سے کبھی کبھی مختلف کتابوں کے مقامات بھی حل کئے ہیں، جنہیں وہ بلا مطالعہ ہی زبانی حل کرا دیتے تھے۔

مدرسہ امینیہ دہلی میں

مولانا محمد میاں صاحب خود لکھتے ہیں کہ: ''بہت بڑا اللہ تعالی کا فضل وکرم یہ بھی ہے کہ احقر کو اپنے پیشہ کے لئے کبھی درخواست نہیں کرنی پڑی، دارالعلوم دیوبند کا طالب علم رہا، فراغت ہوئی تو حضرت الاستاد مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے احقر کو آرہ شاہ آباد (صوبہ بہار) بھیج دیا، وہاں مدرسہ حنفیہ آرہ میں مدرس کی حیثیت سے احقر نے

خدمت انجام دی، وہاں تین سال قیام رہا، پھر ان بزرگوں نے مدرسہ شاہی مراد آباد کی خدمت کے لئے مراد آباد بھیج دیا، جہاں ۱۶/سال قیام رہا، اور حضرت شیخ الاسلام اور حضرت مجاہد ملت رحمہما اللہ احقر کو جمعیۃ علماء ہند کی خدمت کے لئے دہلی لے آئے، آخری سال جب حضرت مجاہد ملت بیمار تھے، مدرسہ امینیہ کے مہتمم مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب (۱) واصف نے احقر سے مدرسہ امینیہ کے لئے مدد چاہی کہ مدرسہ کے صدر مدرس بیمار ہیں، ایک مدرس حج کے لئے تشریف لے گئے، ایک رخصت پر پاکستان گئے ہوئے ہیں، مدرسہ میں درس حدیث کے لئے کوئی نہیں ہے، احقر سے فرمائش کی کہ یہ خدمت احقر انجام دے، احقر نے اعزازی طور پر یہ خدمت منظور کر لی اور (۱۹۶۲ء سے) درس شروع کرا دیا، یعنی بلا جد و جہد اللہ کے فضل و کرم سے اپنے سابقہ پیشہ پر لوٹ آیا، ایک سال تک اعزازی خدمت انجام دیتا رہا، پھر جناب مہتمم صاحب اور حضرات اراکین نے اصرار فرما کر دوامی خدمت کا وعدہ لے لیا، الحمد للہ احقر یہ وعدہ پورا کر رہا ہے" ماشاء اللہ اخیر عمر تک مولانا نے یہ وعدہ نبھایا۔

مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ "آپ نے ترمذی شریف، بیضاوی شریف، جلالین، ہدایہ اخرین اور ادب کی تمام کتابیں پڑھائیں، منطق میں ملاحسن بھی پڑھائی، پھر آخری دور میں مدرسہ امینیہ دہلی میں ترمذی شریف اور ہدایہ آخرین کے ساتھ بخاری شریف بھی پڑھانی نصیب ہوئی اور افتاء کا کام تو مراد آباد سے جو شروع ہوا تو اخیر وقت تک چلتا رہا، جامعہ قاسمیہ میں شعبہ افتاء مستقل حیثیت سے قائم نہ تھا، وہ آپ نے ہی شروع فرمایا، تصنیف و تالیف، عبادت و ریاضت کا سلسلہ اخیر تک قائم رہا۔

اس طرح ان تمام تفصیلات کے ساتھ آپ نے تقریباً ۳۲/سال درس و تدریس میں گزارے، تین سال مدرسہ حنفیہ آرہ میں، ۱۶/سال مدرسہ شاہی مراد آباد میں اور ۱۳/سال مدرسہ امینیہ دہلی میں، اس عرصہ تدریس میں نامعلوم کتنے طالبان علوم نے اکتساب فیض کیا،

(۱) آپ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب متوفی ۱۳۷۲ھ کے خلف الرشید اور علم و ادب کے استاد تھے، زاہدانہ کردار کے حامل، مزاج میں قناعت پسندی تھی، ۱۳/مارچ ۱۹۸۷ء کو وصال ہوا، قبرستان شاہ ولی اللہ میں مدفون ہیں۔

یقیناً یہ تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوگی۔

مدارس سے شغف

مولانا حامد میاں لکھتے ہیں: ”جولائی ۱۹۵۵ء میں حضرت مولانا عبدالحق مدنی مہتمم جامعہ قاسمیہ مرادآباد کی وفات کے بعد سے والد ماجد کو اہل مرادآباد نے وہاں کا مہتمم مقرر کیا، یہ اہل مرادآباد کی محبت اور تعلق ہی تھا، آپ نے آخری وقت تک اسے نبھایا، بحمد اللہ مدرسہ بھی ترقی کرتا رہا، آپ نے لب دریا ایک وسیع جگہ لے کر ”ادارہ حفظ الرحمٰن“ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے تحت وسیع پیمانہ پر قائم کیا، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی وفات کے بعد آپ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند منتخب ہوئے، لیکن کچھ عرصہ بعد اس عہدہ سے کنارہ کش ہوگئے تھے، علمی اور تصنیفی مشاغل زیادہ کردئے تھے، پھر مرادآباد کے علاوہ دہلی کے چار مدارس کا اہتمام بھی آپ کے سپرد تھا، ادارہ ”مباحث فقہیہ“ کے رئیس اور اوقاف جمعیۃ کے چیئرمین تھے، دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ اور عاملہ کے رکن تھے، وہاں بھی بیشتر شوریٰ وغیرہ کی کارروائیاں ان کے دست مبارک سے لکھی جاتی تھیں، مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث تھے، بخاری شریف اور ترمذی شریف کے علاوہ ہدایہ آخیرین بھی پڑھاتے تھے، وہاں کے صدر مفتی بھی تھے، یہ سب کام اخیر وقت تک جاری رہے، افتاء کا کام جو مرادآباد میں اور مدرسہ امینیہ میں انجام دیا ہے، نیز نظامت جمعیۃ کے دوران بھی جو فتاویٰ تحریر کئے ہیں وہ اگر کبھی جمع کئے گئے تو یہ بھی ان کے علمی کام کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا“۔(۱)

(۱) قلمی تحریر مولانا سید حامد میاں۔

تیسرا باب

سیاسیات اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی
اور آپ کی قومی وملی خدمات

سیاسیات اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی اور آپ کی قومی وملی خدمات

پس منظر

مولانا سید محمد میاں صاحب نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ سیاسی اتھل پتھل کا زمانہ تھا، وہ ایک عظیم انسان تھے اوران کا مطالعہ وسیع تھا، انہوں نے یہ محسوس کرلیا تھا، کہ کانگریس نے تو کامل آزادی کا ریزولیشن ۱۹۳۰ء میں لاہور میں راوی کے کنارے پنڈت جواہرلال نہرو کی صدارت میں پاس کیا تھا، مگر جمعیۃ علماء ہند نے اول روز سے ہی مکمل آزادی کو اپنا نصب العین بنا رکھا تھا، انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ جب کانگریس نے تمام سرکاری خطابات چھوڑ دینے کا اعلان کیا تو حکیم اجمل خان صاحب نے اپریل ۱۹۲۰ء میں اپنا خطاب ''حاذق الملک'' اورتمغہ قیصر ہند گورنمنٹ آف انڈیا کو واپس کر کے حکومت وقت کے جبر وتشدد کے خلاف احتجاج کیا تھا، اس کے بعد ہی جمعیۃ علماء ہند نے اپنے کانپور کے اجلاس میں حکیم اجمل خان کو متفقہ طور پر ''مسیح الملک'' کا قومی خطاب دے کران کی قدرومنزلت بڑھائی۔

مسلم لیگ تو انگریزوں کے دام میں آ گئی تھی، مگر جمعیۃ علماء ہند نے کسی قیمت پر بھی انگریزوں کے جال میں آنا قبول نہ کیا۔

پشاور میں جمعیۃ علماء کے شاندار جلسے کے بعد سرحدی پٹھانوں نے بدیشی کپڑوں کی دکانوں پر پکٹنگ کی اور برطانوی حکومت نے ان پر گولی چلادی، قصہ خوانی بازار میں پرامن لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، یہ وہ دور تھا کہ عوام الناس کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے

اشاروں پر چلتے تھے۔

مولانا سید محمد میاں کی تبحر علمی، اصابت رائے، خدداد قوت حافظہ، بلندی پرواز اور دور اندیشی نے ان کو جمعیۃ علماء ہند کی طرف مائل کر دیا، مولانا مرحوم نے یوپی کے مشرقی اضلاع میں جمعیۃ علماء کا تنظیمی دورہ فرمایا، جس میں اعظم گڑھ، بنارس، غازی پور، بلیا وغیرہ شامل ہیں، مولانا سید محمد میاں میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کی نگاہ دوررس آدمی کو پہچان لیتی اور آپ ہر شخص کی اس کی صلاحیتوں کے بعد ہمت افزائی کرتے، مثال کے طور پر آپ نے جمعیۃ علماء صوبہ بمبئی کو لکھا کہ ''حضرت مولانا قاضی عبدالحفیظ صاحب اطہر مبارکپوری کی خدمت سے فائدہ اٹھایا جائے'' مولانا سید محمد میاں خود بھی ناظم جمعیۃ علماء ہند کی حیثیت سے بمبئی پہنچ گئے، اس طرح مولانا نے علمی، دینی، اصلاحی خدمات کے ساتھ قومی وملی خدمات بھی انجام دیں۔(۱)

جمعیۃ علماء سے وابستگی

جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ اگر چہ آپ کا رشتہ زمانہ حصول تعلیم میں قائم ہو گیا تھا، اور فراغت کے بعد مارچ ۱۹۲۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ساتویں اجلاس کلکتہ میں اکابر علماء کے ہمراہ آپ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔(۲)

مگر اس سلسلہ کی سرگرمی مدرسہ شاہی میں تشریف آوری کے بعد شروع ہوئی، جو پھر زندگی بھر ختم نہ ہوئی، اور آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک وملت اور قوم ووطن کے لیے نا قابل فراموش خدمات انجام دیں اور خود جمعیۃ علماء کی بھی وہ خدمت انجام دی جو جمعیۃ علما کی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے لائق ہے، ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس امروہہ میں ہوا، اجلاس امروہہ میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی متوفی ۱۹۶۲ء نے شرکت کانگریس کی تجویز پیش کی، جس کی تائید میں امیر شریعت مولانا عطاء اللہ

(۱) جمعیۃ علماء نمبر صفحہ ۷۷۔

(۲) ندائے شاہی اپریل، مئی ۹۰ء صفحہ ۱۳۔

شاہ بخاری متوفی ۱۳۸۱ھ نے شعلہ بار تقریر کی، جس کا سلسلہ تین گھنٹے تک جاری رہا، جس نے بہت سے دلوں کی دنیا کی بدل دی، ان میں مولانا محمد میاں بھی تھے، مولانا محمد میاں لکھتے ہیں:

جن میں سے خود یہ راقم الحروف بھی ہے کہ پہلے صرف ایک گوشہ نشین مدرس تھا، اور اب جنگ آزادی کا سپاہی بن گیا، جس کو قید و بند اور دار ورسن کے خواب آنے لگے۔ (۱)

اس اجلاس کے بعد مولانا موصوف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ متوفی ۱۳۷۷ھ کے مشورہ سے ہندوستان کی مشہور سیاسی جماعت کانگریس میں شریک ہوئے، پھر جمعیۃ علماء اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے جہاد آزادی میں سرفروشانہ حصہ لیا، اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ (۲)

جمعیۃ کے صوبائی ناظم

جمعیۃ علماء مرادآباد کی نیابت نظامت سے لے کر جمعیۃ علماء ہند کی نظامت علیا تک مختلف عہدوں پر فائز رہے، جس کی کچھ تفصیل خود موصوف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"۱۹۲۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس (۳) امروہہ میں ہوا، جس میں شرکت کانگریس کا ریزولیشن پاس کیا گیا، اس اجلاس سے کچھ پہلے جمعیۃ علماء شہر مرادآباد کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوا، جس میں احقر کو جمعیۃ علماء شہر مرادآباد کا نائب ناظم منتخب کیا گیا، کچھ دنوں بعد نائب کے بجائے ناظم بنا دیا گیا، اس وقت نظام جمعیۃ علماء میں صوبہ آگرہ الگ تھا، اور اودھ علیحدہ، اور اس زمانہ میں تبلیغ کا سلسلہ بھی جمعیۃ علماء سے وابستہ کیا گیا تھا، احقر کو جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ کا ناظم تبلیغ بنا دیا گیا، ناظم تبلیغ کے بعد احقر جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ پھر پورے صوبہ متحدہ کی جمعیۃ علماء کا ناظم ہو گیا"۔

---

(۱) الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ۴۴۔

(۲) تاریخ شاہی نمبر، نومبر، دسمبر ۹۲ء صفحہ ۳۹۲۔

(۳) یہ اجلاس ۱۹۳۰ء میں ہوا تھا۔ خصوصی اشاعت الجمعیۃ دہلی صفحہ ۱۲۹/۱۳۰۔

جمعیۃ علماء ہند کے ناظم

پھر اجلاس سہارنپور میں ''جمعیۃ علماء ہند'' کے ناظم منتخب کئے گئے، مولانا خود لکھتے ہیں:

۴رمئی تا ۷رمئی ۱۹۴۵ء کو بڑی شان کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس سہارنپور میں ہوا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلی منتخب کئے گئے، احقر کا نام زبانوں پر آیا تو احقر نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر معذرت کرنی چاہی، مگر سیدی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اسٹیج پر تشریف فرماتھے، خلاف معمول احقر کا دامن جھٹک کر کھینچا اور احقر کو نیچے بٹھا دیا، اب بجز تسلیم ورضا چارہ ہی کیا تھا، قہر درویش بر جان درویش''۔(۱)

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ۱۹۶۲ء میں انتقال کے بعد ناظم اعلی منتخب ہوئے، مولانا تحریر فرماتے ہیں ''حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ مرض میں از خود احقر کی قائم مقامی کا اعلان کرادیا تھا، مرحوم کی وفات کے بعد ایک سال تک اس اعلان کا احترام کرتے ہوئے یہ خدمت انجام دی''۔(۲)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''پھر یہ منصب اس کے سپرد کیا گیا جس کو اللہ تعالی نے اس کی اہلیت عطا فرمائی تھی، حضرات اراکین اگرچہ احقر کے بھی مخالف نہیں تھے، مگر ان کے جذبات اس کے ساتھ تھے، جس کو جناب صدر نے اس منصب کے لیے نامزد فرمایا، یعنی نوجوان صالح مولانا اسعد صاحب (۳) زادت مزایاہ، بہر حال یہ درست ہے کہ نظامت کا لیبل احقر پر تقریبا ۳۵رسال چسپاں رہا۔(ایضا)

جمعیۃ علماء ہند کی نظامت علیا کے بعد بھی جمعیۃ علماء کے ساتھ رشتہ انسلاک میں کمی نہ آئی،

(۱) مجاہد ملت نمبر صفحہ ۵۶۔

(۲) خصوصی اشاعت ''الجمعیۃ'' صفحہ ۱۳۰۔

(۳) حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلی بنائے گئے اور پھر بعد میں صدر جمعیۃ علماء ہند اور پھر زندگی کے آخری لمحات تک جمعیۃ کے صدر رہے اور بالآخر ۶رفروری ۲۰۰۶ء میں انتقال ہوگیا، اور دیوبند میں تدفین ہوئی۔

بلکہ آپ اس کی مجلس عاملہ کے رکن رکین، ادارہ مباحث فقیہ اور جمعیت ٹرسٹ کے سکریٹری رہے۔

سیاسیات

مولانا حامد میاں صاحب مولانا محمد میاں صاحب کی جمعیۃ اور سیاسیات سے وابستگی کے متعلق تفصیل سے لکھتے ہیں کہ ''والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ مارچ ۱۹۲۹ء میں مدرسہ شاہی پہنچے، مدرسہ شاہی کی فضا مزاج کے موافق مل گئی کہ دارالعلوم دیوبند کی طرح یہ مدرسہ بھی سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سائمن کمیشن ہندوستان پہنچ کر ناکام واپس ہوا تھا، اور تقریباً سات سال کی خاموشی کے بعد جب ۱۹۳۹ء شروع ہوا تو ہندوستان میں مختلف تحریکوں نے جنم لینا شروع کیا، اس وقت ولبھ بھائی پٹیل اور گاندھی نے تحریک شروع کی تھی، لہٰذا یہ سوال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، جمعیۃ علماء ہند نے ہر سوال پر غور کرنے اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کے لئے امروہہ میں اجلاس کیا، مولانا معین الدین صاحب اجمیری اس اجلاس کے صدر تھے۔

مسلمانوں میں ایک جماعت وہ تھی جو تحریک آزادی میں شرکت سے پہلے ہندو مسلم معاہدہ کو ضروری سمجھتی تھی؛ لیکن دوسری جماعت جن کی سربراہ جمعیۃ علماء ہند تھی، اس کا یقین یہ تھا کہ جدوجہد آزادی ایسا فرض ہے جو دوسرے برادران وطن سے زیادہ مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے، برادران وطن اس کو صرف سیاسی مسئلہ سمجھتے ہیں، مگر مسلمانوں کے لئے اس کی نوعیت مذہبی مسئلہ کی بھی ہے، جس کا مدار کسی معاہدہ پر نہیں ہے، علاوہ ازیں وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ برطانیہ کے سیاسی اقتدار بلکہ اس کی سیاسی جبروت کے دور میں کسی متفقہ معاہدہ کا تصور جوئے شیر کے تصور سے کم نہیں ہے، چنانچہ جیسے ہی جمعیۃ علماء ہند نے امروہہ میں اجلاس عام کا اعلان کیا، دوسری جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے کھڑی ہوگئی، اور اس نے بھی ان ہی تاریخوں میں امروہہ میں اپنی جمعیۃ کا اجلاس کیا۔

جمعیۃ کے ایک اجلاس میں شرکت اور آپ کا تأثر

والد ماجد کو مدرسہ شاہی مرادآباد میں کام کرتے ہوئے ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ سیاسی فضا میں یہ گرمی پیدا ہوگئی، اسی سال جب جمعیۃ علماء مرادآباد کا انتخاب ہوا تو آپ کو نائب ناظم بنادیا گیا، کچھ روز بعد جمعیۃ علماء ہند نے شاردا ایکٹ کی تحریک چلائی تو آپ نے پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیا، حتیٰ کہ موٹو وغیرہ اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائے، ضابطہ کے لحاظ سے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں شریک نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ اس کے رکن نہیں تھے؛ لیکن بہرحال شرکت کا موقع ملا، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میں نے علماء کی بحثیں سنیں، کچھ قانون داں وکیل اور ایک بیرسٹر صاحب اور ایک بڑے عالم جو سرکار کے حامی تھے، صدر کی اجازت سے وہ بھی اجلاس میں شریک ہوئے، اور جناب صدر نے ان کو بھی بحث میں حصہ لینے کی اجازت دی، انہوں نے کانگریس کے خلاف تقریریں کیں اور یہ کہ مسلمانوں کو اس میں حصہ نہ لینا چاہئے، ان کے پیش کردہ دلائل ان کی نظر میں مضبوط ہوں گے مگر مجھے نہایت لچر معلوم ہوئے۔

جمعیۃ علماء کے ارکان میں سے حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی تقریروں نے مجھے متأثر کیا، سید صاحب کی تقریر تاریخی اور سیاسی نوعیت کی تھی، اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے مذہبی حیثیت سے روشنی ڈالی تھیں، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اس تجویز کے محرک تھے، آخر میں ان کی تقریر بھی ہوئی، مگر وہ اس وقت اتنے اونچے درجہ کے مقرر نہیں تھے، رات کو جلسہ عام ہوا، جس میں مولانا شاہ عطاء اللہ صاحب بخاری کی تقریر ہوئی، غالبًا تین گھنٹے تک وہ تقریر جاری رہی، معلوم ہوتا تھا کہ آگ کے شعلوں کی بارش ہورہی ہے، چیرز نہیں ہوتے تھے بلکہ مضطربانہ نعرے بلند ہوتے تھے، کچھ پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، بہرحال میں

جذباتی لحاظ سے اس تقریر سے متأثر ہوا''۔

کیا مجھے تحریک میں حصہ لینا چاہئے

اجلاس ختم ہوا تو میں مرادآباد واپس ہوا اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی بھی مرادآباد تشریف لائے، میں نے چاہا کہ اجلاس اور جلسہ کی ہماہمی کے علاوہ سکون واطمینان کی صورت میں بھی حضرت شیخ سے استصواب کروں، چنانچہ احقر نے تنہائی میں حضرت شیخ رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ کیا مجھے تحریک میں حصہ لینا چاہئے؟ مولانا کا جواب لامحالہ اثبات میں تھا، مزید فرمایا یورپ خصوصاً برٹش نے دنیا کے بہت سے ممالک کو اپنے تسلط اور چیرہ دستی کے شکنجہ میں کس رکھا ہے، اور برٹش کی یہ طاقت ہندوستان کی وجہ سے ہے، ہندوستان پر برٹش کی گرفت کچھ بھی ڈھیلی پڑتی ہے تو ان کمزور ممالک پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، اور انہیں سانس لینے کا موقع ملتا ہے۔

حضرت شیخ کے اس ارشاد کے بعد احقر کو پوری طرح انشراح ہوگیا، چنانچہ حضرت مولانا فخرالدین صاحب کا دست وبازو بن کر تحریک میں کام شروع کردیا، چندروز میں پورے مرادآباد پر تحریک چھاگئی اور صوبہ سرحد کے بعد صرف مرادآباد کی کچھ یہ خصوصیت تھی کہ یہاں کانگریس پر مسلمان چھائے ہوئے تھے''۔

انگریزوں کی فائرنگ

مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ'' ۱۹۳۰ء میں مرادآباد کے الیکشن میں جوٹاؤن ہال میں ہورہا تھا، پولیس نے مجمع پر گولی چلائی، لاٹھی چارج کے بعد گھوڑے دوڑادیئے، والد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ'' وہ اسی میدان میں تھے اور آخر تک رہے، خدا کی حفاظت تھی کہ عجیب وغریب طرح گھوڑوں کی ٹاپوں اور فائرنگ کی گولیوں سے بچے، فائرنگ بند ہوگئی، تو زخمیوں کو اٹھوایا، عبدالنبی ایسا مجروح ہوا کہ جاں بر نہ ہوسکا، دوسرے

زخمی اچھے ہوگئے، پشاور میں قصہ خوانی بازار کے فائرنگ کے بعد یہ یوپی میں پہلا فائرنگ تھا، اس کے بعد برابر اسی پامردی اور تسلسل کے ساتھ ساری عمر تدریس وافتاء، تصنیف وتالیف، عبادت وریاضت کا سلسلہ بھی جاری رہا''۔

جہاد کی تیاری

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سرحدی نے بھی اسی دور میں والد ماجد سے ادب کی کتابیں اور ترمذی شریف پڑھی ہے، حضرت مفتی محمود صاحب والد صاحب کا مذکورہ بالا واقعہ بھی ذکر فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ "اَلنَّفْسُ لَاتَتَوَجَّهُ اِلَی شَیْئَیْنِ فِیْ آنٍ وَاحِدٍ" کا قاعدہ ان کے یہاں منقوص تھا، وہ سبق پڑھاتے پڑھاتے بھی لکھ لیا کرتے تھے'' میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ والد صاحب باقاعدہ ورزش کیا کرتے تھے، مونگریاں (مگدڑ) بھی گھمایا کرتے تھے، گویا جہاد کے لئے ہروقت تیاری رکھتے تھے''۔

جیل خانوں میں آپ کی عبادت اور مشاغل

مولانا حامد میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۴ء تک والد ماجد رحمہ اللہ چار مرتبہ مرادآباد سے اور ایک مرتبہ دہلی سے گرفتار ہوئے، بامشقت سزا بھی دی گئی، جیل ہی میں حفظ قرآن پاک شروع کیا، سولہ پارے متعدد جیلوں میں یاد کئے۔

۸/اگست ۱۹۴۴ء کو وہ تحریک شروع ہوئی جس کا نام کوئیٹ انڈیا ''ہندوستان چھوڑ دو'' والی تحریک مشہور ہوا، حسن اتفاق کہ اس میں گرفتار شدگان اکابر سب ہی مرادآباد جیل میں جمع ہوگئے، حضرت اقدس مولانا مدنی حسن پور ضلع مرادآباد میں ایک تقریر کی وجہ سے پہلے ہی گرفتار کرلئے گئے تھے، والد صاحب اس وقت باہر تھے، اس دوران حضرت مدنی کے دو گرامی نامے والد صاحب کے نام صادر ہوتے رہے، وہ گورنر یا صوبہ دار کے عنوان سے

معنون آتے رہے، جیسا کہ مکتوبات شیخ الاسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

حضرت اقدس مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی (جو اس قید کے بعد حضرت مدنی کی خلافت سے مشرف ہوئے) حضرت مولانا الحافظ القاری المقری محمد عبداللہ صاحب (۱) تھانوی اور حافظ محمد ابراہیم صاحب سب ہی اسی جیل میں تھے، چندروز بعد رمضان شریف آ گیا، تو جیل خانہ کی پارک تراویح گاہ بن گئی، شیخ الاسلام تراویح پڑھاتے تھے اور مولانا حافظ قاری عبداللہ صاحب سماعت کیا کرتے تھے۔

اکتوبر میں والد صاحب بھی ان میں شامل ہو گئے تھے، وہاں شیخ الاسلام سے درس قرآن پاک کا سلسلہ بھی شروع کرایا گیا، مگر یہ درس ایک ہفتہ ہونے پایا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کو مرادآباد سے نینی جیل (الہ آباد) منتقل کر دیا گیا۔

یہ حضرات جن کے لئے یہ جیل خانہ ایک عبادت گاہ اور درسگاہ بن گئی تھی، حضرت اقدس کی مفارقت پر تڑپتے رہ گئے۔

کچھ عرصہ بعد والد صاحب اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو بھی بریلی سینٹر جیل

---

(۱) آپ کا وطن تھانہ بھون تھا، نیکی پارسائی، علمی اور سیاسی بصیرت انتہا درجہ کی خدا نے بخشی تھی، حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ نے اپنے فتاوی میں مسئلہ ضاد پر اشکالات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے، حتی کہ عزیزی قاری عبداللہ آئے، پھر ان سے گفتگو کے بعد رفع اشکالات کا ذکر فرمایا تھا، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے قراءت عشرہ ان ہی سے پڑھی ہے، جولائی ۱۹۴۴ء میں جیل سے آنے کے بعد وفات پائی، آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد قبر بیٹھ گئی، جسم مبارک سالم نکلا، آپ کی ذات بہت چھوٹی تھی لیکن میں سوچتا ہوں کہ اپنے آپ کو سید، صدیقی، فاروقی اور عثمانی وغیرہ کہلا کر خوش ہو جانے والے حضرات کو عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ کل قیامت کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب وہ ہوں گے یا آپ کا وہ امتی ہوگا جو عمل ورع اور تقوی اور اتباع سنت سے مزین رہا ہو، چاہے وہ حضرت قاری صاحب ہوں، یا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ہوں رحمہما اللہ ورفع درجاتہما، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سرحدی ایک بار اس بات پر اظہار افسوس فرما رہے تھے کہ فتاوی کے نئے ایڈیشن میں حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ العزیز کی اس تمہیدی عبارت کو حذف کر دیا گیا ہے، جس میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب کا ذکر حضرت نے فرمایا تھا، حضرت مفتی صاحب حضرت قاری صاحب کے حالات پر عجیب انداز میں روشنی ڈالتے ہیں، کیا اچھا ہو کہ وہ حالات ضبط تحریر میں آ جائیں۔ (حامد میاں)

منتقل کر دیا گیا اور دوسرے بقیہ حضرات کو بھی مختلف مقامات پر، والد صاحب جیل ہی میں تھے کہ دادا جان کی وفات ہوئی، دادا جان کو تنفس کا عارضہ تھا، ۱۹۳۴ء کے بعد ایک دفعہ جب والد صاحب اسیر تھے، ایک دن میں کچھ اشعار پڑھ رہا تھا، دادا جان مرحوم پر ان کا بہت اثر ہوا، اب مجھے اس نظم کے صرف تین مصرعے یاد ہیں، یہ نظم مخمس کے طرز پر تھی۔

بلبل بے خانماں اب تو چمن سے دور ہے

گردش تقدیر سے لاچار ہے مجبور ہے

اس کا چھٹا مصرعہ یہ تھا۔

کیوں میرا نور نظر آنکھوں سے میری دور ہے

اس زمانہ میں متعدد بار ایسا ہوا کہ دادا جان یہ نظم رات کو مجھ سے سنتے اور ہر دفعہ ان پر اس کا شدید اثر ہوتا، لیکن وہ نہایت متحمل مزاج اور صابر تھے، کبھی اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا، حتی کہ والد صاحب سے بھی ان کے جیل آنے یا جانے پر کسی قسم کی بیتابی وغیرہ کا کبھی اظہار نہیں ہوا، نہ ہی کبھی انہیں سیاست سے روکا۔

جب ۱۹۴۴ء میں والد صاحب جیل میں گئے تو دادا جان رحمہ اللہ کی علالت بڑھی، حتی کہ آپ نے وفات پائی، ہماری رہائش محلہ مغل پورہ میں تھی، مغل خاندان کے حضرات ان کا بزرگوں کی طرح اکرام کرتے رہے اور ہم سے رشتہ داروں کی طرح ملتے رہے، ان ہی حضرات کی ایک مسجد ہے، اس کے گرد ان کے خاندان کے لوگ مدفون ہیں، ان ہی میں صحن مسجد کے شرقی حصہ سے متصل ان کی قبر مبارک ہے، مکتوبات شیخ الاسلام جلد چہارم میں مکتوب نمبر ۱۰۰ ر میں ان کی وفات پر تعزیت فرمائی گئی ہے، یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مارچ ۱۹۴۴ء کا ہے۔

۲۶ / اگست ۱۹۴۴ء مطابق ۶ / رمضان ۱۳۶۳ھ کو حضرت شیخ الاسلام کی رہائی ہوئی، فوری آرڈر دیا گیا کہ وہ نینی جیل سے باہر تشریف لیجائیں۔

انگریز کی طاقت بھی جنگ کے اثرات سے مضمحل ہوگئی تھی، وہ ہندوستان سے اپنی گرفت ڈھیلی کرنی چاہتا تھا۔(۱)

جمعیۃ علماء ہند کا ذہن اور قلم

مولانا سید محمد میاں صاحب جمعیۃ علماء ہند کے ناظم مقرر ہوئے اور ایک سال تک ناظم اعلی کے عہدے پر بھی فائز رہے، آپ جمعیۃ علماء کے مخلص رہنماؤں میں تھے، اگر آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا ذہن اور قلم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، آپ جمعیۃ علماء ہند کی مالیاتی کمیٹی کے چیرمین بھی رہے۔

آپ جمعیۃ کے ہر اجلاس کی تجاویز مرتب کرتے

مولانا سید محمد میاں صاحب بالعموم ہر اجلاس میں پیش کی جانے والی تجاویز مرتب کرتے یا اگر کوئی اور مرتب بھی کرتا تو بھی اس کی نوک پلک سنوارنے کے لیے وہ تحریر مولانا کو ہی دی جاتی، تجاویز کی عبارت حسب حال اور بہت جچی تلی ہوتی، گیا میں ۱۵/۱۶/اور ۱۷/اپریل ۱۹٦٦ء کو جمعیۃ علما ہند کے بائیسویں اجلاس میں مولانا سید محمد میاں صاحب نے ایک قرارداد ''پبلک میں فرقہ وارنہ فسادات'' سے متعلق مرتب کی، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''جبل پور کے ہنگامہ کے بعد مغربی بنگال، اڑیسہ، بہار اور مدھیہ پردیش وغیرہ کے حصوں میں جس طرح دو سال پہلے قیامت برپا ہوگئی، جس نے جبل پور کے خونیں ہنگامہ کو بھی گرد کر دیا، جمعیۃ علماء ہند اس کا صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ پورے ملک کا نقصان عظیم انتہا یہ کہ سالمیت وطن کے لیے خودکشی کے مرادف سمجھتی ہے، ان ہنگاموں کے علاوہ ملک کے سبھی مسلمان اس بات کا شدید احساس کرتے ہیں کہ ہر موقع پر ان کے ساتھ جو امتیازی سلوک کیا جاتا ہے، اس نے ان کی زندگی کو اجیرن کر دیا ہے، جس کے وجہ سے صنعت و حرفت وغیرہ کی

(۱) قلمی تحریر مولانا سید حامد میاں صاحب۔

مشکلات نا قابل حل ہو جاتی ہیں۔(۱)

جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کمیٹی کا ڈکٹیٹر

مولانا جمعیۃ سے کتنے عرصے تک وابستہ رہے اور جمعیۃ اور کانگریس کی کیسے ڈکٹیٹری کی، اس سلسلہ میں خود لکھتے ہیں کہ ’’تحریک آزادی میں کانگریس کے پلیٹ فارم سے حصہ لیا، جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم پر بھی سرگرم عمل رہا، اس لیے کہ جمعیۃ علماء کانگریس کے ہم دوش تھی، اور جمعیۃ علماء شہر مرادآباد پھر ضلع مرادآباد پھر جمعیۃ علماء صوبہ کا ناظم رہا پھر جمعیۃ علماء ہند کا، اس طرح ۳۵ر سال تک سلسلہ نظامت سے احقر وابستہ رہا۔

۱۹۴۴ء تک میدان عمل مرادآباد تھا، پانچ مرتبہ گرفتار ہوا، چار مرتبہ مرادآباد سے ایک مرتبہ دہلی سے، اس وقت یہ ناکارہ جمعیۃ علماء ہند کا نواں ڈکٹیٹر تھا، ساتھ ہی کانگریس کمیٹی کا بھی ڈکٹیٹر تھا، دونوں جماعتیں خلاف قانون تھیں، جب محمد میاں مرادآباد سے خلاف قانون جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار ہوا، تو داہنے مونڈھے پر جمعیۃ علماء کا جھنڈا تھا، بائیں پر کانگریس کا، گردن میں قرآن شریف آویزاں تھا، اور والدین رحمہما اللہ کی غائبانہ دعائیں سایہ فگن، پولیس کے ڈنڈے جلوس کا استقبال کر رہے تھے، عجیب منظر تھا، مگر اس وقت تک ٹیلی ویژن کا رواج نہیں ہوا تھا‘‘۔

آپ کی تاریخ ساز کتاب کی ضبطی ایک جابرانہ اقدام

۱۳ر جولائی ۱۹۴۰ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کی تاریخ ساز کتاب ’’علماء ہند کا شاندار ماضی‘‘ کی ضبطی کو ایک جابرانہ اقدام قرار دیا گیا۔

حکومت ہند کے اس اقدام کی پرزور مذمت کی گئی، جس کے تحت دوسری جنگ عظیم میں تعاون نہ دینے اور جبری بھرتی کی مخالفت پر جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں اور ورکروں کو قید

(۱) جمعیۃ علما نمبر ۴۷۹۔

کرلیا گیا، ان میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد قاسم شاہ جہاں پوری، مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوری، مولانا شاہد میاں فاخری الہ آبادی، مولانا محمد اسماعیل سنبھلی اور مولانا سید اختر الاسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(۱)

ملک وملت کی ترقی

مولانا سید محمد میاں صاحب نے ترقی ملک اور تحفظ ملت کے سلسلہ میں جو نظریہ قائم کیا تھا، اور جس پر اخیر تک قائم رہے، اس کے سلسلہ میں خود رقمطراز ہیں کہ ”پہلے دن سے نظریہ یہ بنا تھا کہ ترقئ ملک وملت کے لیے جدوجہد فرض مسلم ہے، ترقئ ملک کے لیے اس کو کسی بااخلاص ملکی جماعت میں کام کرنا ہوگا، جو ملک کی طرح مشترک ہو، کسی فرقہ وار جماعت کا رکن بن کر ترقی ملک کی خدمت کا تصور غلط ہے، البتہ ملی خدمات اور تحفظ ملت کے لیے اس کو ایسی جماعت میں شریک ہونا ہوگا جو علماء ملت کے زیر قیادت تحفظ وترقی ملت کے لیے کام کرتی ہو، ترقی ملک کیلئے سب سے بہتر جماعت انڈین نیشنل کانگریس نظر آتی ہے، اور تحفظ ملت کیلئے جمعیۃ علماء ہند، تقریباً ساٹھ سال ہوئے احقر کا یہ نظریہ قائم ہوا تھا، الحمدللہ آج تک اس پر قائم ہے“۔

ہندوستان کی جدوجہد آزادی اور عظیم تصنیفی خدمات

مولانا محمد میاں صاحب نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی خدمت یہ انجام دی کہ آپ نے دینی تعلیم کے رسالے مرتب کئے، یہ رسالے اسلامی مدارس ومکاتب میں داخل نصاب ہیں، جمعیۃ علماء کی سیاسی تاریخ اور اس کے ریکارڈ پر ان کی گہری نظر تھی، علماء ہند کی سیاسی خدمات سے عوام الناس کو روشناس کرانے اور ایک طرح سے ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کے کردار کو واضح کرنے میں انہوں نے عظیم تصنیفی خدمات انجام دیں، اکابر دیوبند کی علمی سیاسی اور دینی وتبلیغی خدمات پر آپ کی تحریریں بہت

(۱) جمعیۃ علماء ہند نمبر ۳۸۶ / جمعیۃ کی خدمات صفحہ ۱۶۔

مفید سمجھی جاتی ہیں، یورپ اور امریکہ کے مصنفین بھی ان کے حوالے دیتے ہیں۔

علماء حق ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس میں ہندوستان کی آزادی کا تمام پس منظر مستند انداز میں پیش کیا گیا ہے، اس میں دوسری جنگ عظیم، طرابلس، البانیہ، چیکو، سلوواکیہ اور آسٹریا کی غلامی، تجویز پاکستان، مکمل آزادی کا نصب العین، گاندھی جناح ملاقات، اگست ۱۹۴۲ء کی ہندوستان چھوڑو تحریک اور متعدد دیگر اہم موضوعات پر مستند مواد فراہم کیا گیا ہے۔(۱)

جہاد حریت میں مسلمانوں کی قربانی

ایک مذہبی فریضہ

مولانا سید محمد میاں صاحب نے اپنی وفات سے قبل اگست ۱۹۷۵ء میں جو مضمون اپنے صاحبزادے مولانا ساجد میاں صاحب کو ایڈیٹر الجمعیۃ کے نام املا کریا، اس میں آپ نے صراحت کی کہ مسلمانوں نے جہاد حریت میں جو قربانیاں اور خدمات پیش کی ہیں، وہ کسی دنیاوی معاوضہ کی طلب میں نہیں بلکہ انہوں نے ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر کی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ ''کل یا پرسوں الجمعیۃ کے اداریہ میں تھا کہ بہت سے مسلمانوں نے جہاد حریت میں قربانیاں دیں، انہوں نے مذہبی فرض سمجھ کر قربانیاں پیش کی ہیں، انہوں نے ان پر کسی معاوضہ کا مطالبہ تو کیا، معاوضہ لینا بھی پسند نہیں کیا، اور اگر کسی کو معاوضہ مل گیا تو ایسی بھی مثالیں ہیں کہ اس نے لینے سے انکار کر دیا، کہ ہم نے قربانی اس لیے نہیں دی تھی، احقر کی گذارش یہ ہے کہ آئندہ کسی ایسے موقع پر اگر آپ چاہیں تو اس کے لیے محمد میاں کی مثال بھی پیش کر سکتے ہیں، اپنے بزرگوں کے طفیل میں محمد میاں نے تحریک آزادی میں حصہ لیا اور پوری سرگرمی سے لیا'' مگر اس میں مقصد قوم وملت اور ملک کی خدمت تھا، اور رضائے الٰہی مقصود ومطلوب تھی۔

---

(۱) جمعیۃ علماء نمبر صفحہ ۷۷-۴۔

جدید دفتر جمعیۃ علماء ہند

مولانا محمد میاں صاحب نے متعدد مساجد بھی واگزار کرائی تھیں، جن میں ایک مسجد عبدالنبی تھی، جو نئی دہلی میں بہادر شاہ ظفر مارگ پر ہے، اس سے ملحق کافی جگہ تھی، وہاں آپ کی خواہش تھی کہ جمعیۃ علماء ہند کا مرکزی دفتر بنائیں، جو اب بحمد للہ بن گیا، ایک شاہی دور کی وسیع مسجد جو تقریباً مسجد فتح پوری کے برابر ہوگی، سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے، لب دریائے جمنا ہے، اس کا نام غالباً حسن منظری کے باعث ''گھٹا مسجد'' پڑا ہے، انہیں بہت پسند تھی، اس کے گرد مکانات بنے ہوئے تھے، جن پر شرنارتھیوں کا قبضہ تھا، وہ مسجد بھی واگزار کرائی، وہاں ایک سہ ماہی تربیتی کورس فضلائے مدارس کے لئے شروع کیا تھا اور خود ہی پڑھاتے تھے۔

جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے قومی وملی خدمات

آپ نے ملک وملت کے لیے جو خدمات اور قربانیاں پیش کی ہیں، ان سب کو احاطہ تحریر میں لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، تاہم ان خدمات کا ایک سرسری جائزہ پیش کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) آزادی کے اس متوالے کو ''بجرم عشق حریت'' پانچ بار قید وبند کی آزمائش میں ڈالا گیا، مرادآباد، دہلی، میرٹھ، بریلی، فیض آباد کی جیلوں میں سلاخوں کے پیچھے رکھا گیا۔

موصوف خود لکھتے ہیں ''کانگریس کا باقاعدہ ممبر بننے کے چند ہفتے بعد ہی احقر گرفتار ہوا، اس وقت حضرت مولانا سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر جمعیۃ علماء ہند) نے بھی احقر کا ساتھ دیا، اس کے بعد احقر ۱۹۳۲ء سے پہلے دہلی پھر مرادآباد میں گرفتار ہو کر سزایاب ہوا، پھر ۱۹۴۰ء میں یہ شرف حاصل ہوا، ۱۹۴۲ء کی تحریک میں آخری بار گرفتار ہوا، جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر گرفتاریوں کی تفصیل بیان کروں، مگر مضمون کی تنگ دامانی اجازت نہیں دے رہی ہے، تاہم ایک واقعہ موصوف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں، سیول نافرمانی ۱۹۳۲ء کا تذکرہ

کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''احقر دہلی سے رہا ہوکر دیوبند پہنچا، جہاں والدہ صاحبہ اور احقر کے متعلقین تھے، پھر فوراً ہی مرادآباد چلا گیا، جہاں صوبہ یوپی کانگریس کمیٹی کے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے گرفتاری کا پروگرام تھا، سی، آئی، ڈی، احقر کی تفتیش میں رہی ہوگی اور ممکن ہے کہ اس کو حیرت ہوئی ہو، جب احقر دفعتہً مرادآباد کے چوک بازار میں اس حالت میں نمودار ہوگیا کہ ایک ہاتھ میں کانگریس کا جھنڈا تھا دوسرے میں جمعیۃ علماء ہند کا۔

ایک عزیز دوست پنجابی سوداگر حافظ محمد شفیع صاحب نے آگے بڑھ کر سنہری ہار گلے میں ڈالا، جس کو احقر نے منظور کیا، کیونکہ ہار پہننے اور پہنانے کے لیے اس سے بہتر وقت کوئی نہیں ہوسکتا تھا، چند منٹ بھی نہیں گذرے تھے، کہ حاضرین کے اجتماع نے جلوس کی شکل اختیار کرلی، اور اب یہ جلوس جس کی قیادت محمد میاں کررہا تھا (جس کے دونوں ہاتھ اس طرح گھرے ہوئے تھے، کہ ایک میں ایک جھنڈا تھا اور دوسرے میں دوسرا، اور گلے میں قرآن شریف) امروہہ گیٹ کی طرف بڑھنے لگا، ابھی تقریباً ایک فرلانگ چلا تھا کہ پولیس کے دستہ نے آکر محاصرہ کرلیا، احقر کو گرفتاری کا حکم سنا کر اپنی تحویل میں لے لیا، اور مجمع کو منتشر کرنے کے لیے لاٹھی چارج شروع کردیا، احقر حوالات میں پہنچا، تو تھوڑی دیر میں حافظ شفیع صاحب بھی درآمد ہوئے، جرم یہ تھا کہ کانگریس اور جمعیۃ کے ڈکٹیٹر کو ہار کیوں پہنایا تھا، پھر انگریزی حساب سے تاریخ ختم نہیں ہوئی تھی، یعنی رات کے بارہ نہیں بجے تھے، کہ مرادآباد کانگریس کے تمام سربراہ جن کی تعداد سترہ تھی، گرفتار کرکے احقر کے ساتھ بنادیئے گئے، چند روز مقدمہ ہوا، چھ ماہ کی سزا بامشقت کلاس ''سی'' اور مشقت میں احقر اور موجودہ کیبن ڈوپلمنٹ منسٹر یوپی (داؤدیال کھنہ) کو چکی کودی گئی، جس سے چند دنوں کے بعد حکیم انظار صاحب وغیرہ کی مساعی سے نجات مل گئی، اور کلاس ''سی'' کے بجائے ''بی'' کردیا گیا۔(۱)

یہ جوش ولولہ اس وقت تھا، جب کہ ابھی دہلی حوالات سے رہا ہوکر آئے تھے، جہاں تکلیف ومشقت کا جو حال تھا، وہ بھی مرحوم ہی کی زبان سے سنیئے:

(۱) الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ۴۸۔

''غالباً اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی، حوالات سب طرف سے بند نہ روشن داں نہ کھڑکی، صرف ایک جانب دروازہ کی طرف دو جنگلے تھے، مگر سامنے چوڑا برآمدہ تھا، جس کی وجہ سے یہ جنگلے بھی ہوا سے ناآشنا رہتے تھے، پیشاب پاخانہ کے لیے صبح کو آٹھ بجے ایک گھنٹہ کے لیے کھولا جاتا تھا، باقی ۲۳/گھنٹے اسی کمرہ میں بند رہتے تھے، یہیں وضو کیا جاتا تھا، پانی نکلنے کی کوئی نالی نہیں تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ وضو کا پانی کمرہ میں بھرتا رہتا، حسن اتفاق یہ تھا کہ کمرہ میں ڈھال کافی تھا، پانی اسی ڈھال میں رہتا تھا، رفتہ رفتہ صورت یہ ہوگئی کہ کمرہ کے نصف حصہ میں پانی بھر گیا اور نصف حصہ میں ہمارے چھ سات ساتھیوں کے بستر تھے، جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام ساتھیوں کو عوارض لاحق ہوگئے، احقر کو پیچش ہوگئی، مگر یہ قید و بند زنداں و سلاسل اس مرد حق آگاہ کے پایہ استقلال میں لغزش نہ دے سکے، کیونکہ میدان سیاست کی اس خارزار وادی میں جسم و جان کو داؤں پر لگا کر ہی اس للکار کے ساتھ داخل ہوا تھا ؎

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

(۲) ۱۹۳۲ء میں جب تحریک سول نافرمانی شباب پر تھی، پورے ملک میں سول نافرمانی اور خلاف ورزی قانون کے نظام کو زندہ رکھنے کے کانگریس نے جنگی کونسل اور جمعیۃ علماء نے ادارہ حربیہ قائم کیا تھا، اور اس نظام کی کلید حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب کے ہاتھ میں تھی، جن کی ہدایت پر مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کا یہ کام تھا کہ ہر ہفتہ جمعہ کی صبح کو مرادآباد سے چل کر دہلی پہنچا کریں اور نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں تقریر کر کے واپس ہوجایا کریں، اس طرح انتہائی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ چند جمعے گزرے، پھر ایک جمعہ کو پولیس کی حراست میں آگئے، ایک ہفتہ حوالات میں رکھ کر چھوڑ دیئے گئے اور چھ ماہ کے لیے دہلی میں داخلہ ممنوع قرار دیدیا گیا، اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند نے ڈکٹیٹر شپ کا نظام قائم کیا تھا، جس کے آپ نویں ڈکٹیٹر تھے، اور اترپردیش کانگریس کمیٹی کے بھی ڈکٹیٹر ہونے کا شرف حاصل تھا۔(۱)

(۳) ۸/ اگست ۱۹۴۲ء کو انڈین نیشنل کانگریس نے Quit India ''کوئٹ انڈیا

(۱) الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ۴۸، ۴۷۔

(ہندوستان چھوڑ دو) کی تجویز پاس کی، جس کی پاداش میں رہنمایان وطن کی داروگیر کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس اقدام کی حمایت کے لیے جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی متوفی ۱۹۶۲ء نے مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس بلایا، جو ۷/۸/اگست ۱۹۴۲ء کو دہلی میں بصدارت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی نائب صدر جمعیۃ علماء ہند ہوا، کیونکہ صدر جمعیۃ علماء ہند شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ۲۵/ جون ۱۹۴۲ء کو گرفتار ہو چکے تھے، اس اجلاس میں مولانا محمد میاں صاحب کیسی کیسی صعوبتیں اٹھا کر شریک ہوئے اور پھر حسب ہدایت ملک کے گوشہ گوشہ میں مجلس عاملہ کی تجویز کو پہنچایا، اس کی کہانی خود مرحوم کی زبانی سنئے، مولانا مرحوم کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے، اوران کے جذبہ آزادی کی ایک تابناک مثال، لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں احقر کا تعلق مدرسہ شاہی مرادآباد سے تھا، مگر جب رفقائے محترم کو بجرم عشق حریت ۸/ اگست کو مرادآباد سے گرفتار کیا گیا تو احقر نے فوراً ہی روپوش ہو جانا ضروری سمجھا، چنانچہ پولیس گرفتاریوں میں مصروف تھی اور احقر تاریک اور غیر معروف گلیوں کو چوں میں ہوتا ہوا مرادآباد سے نکل رہا تھا، میرے نسبتی بھائی حافظ سادات حسن صاحب از راہ ہمدردی احقر کے ساتھ ہولیئے، ہم دونوں ۸/ میل پا پیادہ طے کر کے قصبہ حکیم پور پہنچے، جب چند گھنٹوں بعد دہلی جانے والا پسنجر حکیم پور پہنچا تو احقر اس سے روانہ ہوا؛ لیکن ٹرین میں زیادہ دیر تک بیٹھنا بھی مناسب نہیں تھا، لہٰذا سنبھاولی اسٹیشن پر اتر گیا، اور موضع ویٹ میں جو اسٹیشن سنبھاولی سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے، اپنے ماموں زاد بھائی مولانا سید محمد اعلی صاحب صدر مدرس مدرسہ اعزازیہ (اعزاز العلوم) قصبہ ویٹ کے یہاں دو تین روز قیام کیا، پھر کچھ پا پیادہ اور کچھ بس سے سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچنا چاہتا تھا، کہ جمنا کے پل پر راستہ روک دیا گیا، کہ شہر میں کانگریسیوں نے فساد برپا کر رکھا ہے، فساد کا تماشہ میں خود بھی جمنا پار سے دیکھ رہا تھا، کیونکہ پیلی کوٹھی کو جس میں ریلوے کا ریکارڈ تھا آگ لگادی گئی تھی اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے، یہ شعلے جمنا پار بلکہ شاہدرہ سے نظر آ رہے تھے، اس وقت

جمنا برج سے واپس ہوکر غازی آباد پہنچا، پھر غازی آباد سے دہلی پہنچنے کی داستاں طویل ہے۔(۱)

الحاصل دہلی پہنچ کر بحیثیت مدعو خصوصی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شریک ہوئے، مجلس عاملہ نے انڈین نیشنل کانگریس کے اقدام کی حمایت کرتے ہوئے ایک تجویز منظور کی اور یہ طے کیا کہ اس کو کثیر تعداد میں طبع کراکر ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا جائے، اور یہ خدمت مولانا محمد میاں اور مولانا عبدالماجد دہلوی کے سپرد کی گئی، دہلی سے مشرقی ہندوستان کے آخری کنارہ تک پہنچانا، مولانا مرحوم کے ذمہ کیا گیا، حسب ہدایت اراکین عاملہ تجویز اور اعلان کا بنڈل لیکر کلکتہ روانہ ہوگئے، سفر کی داستاں آپ ہی سے سنئے:

''جگہ جگہ ہڑتالیں ہورہی تھیں، پولیس اور فوج کی گولیاں موت کی بارش برسا رہی تھیں، ریل کی پٹریاں اکھاڑی جارہی تھیں، ٹیلیفون اور ٹیلی گراف کے تار کاٹ کر نظام حکومت خصوصاً ریلوے کے نظام کو معطل کیا جارہا تھا، اور بارش کی مسلسل جھڑیوں نے جس طرح پولس اور سی آئی ڈی کے کام کو دشوار کردیا تھا، مسافروں کے لیے بھی صعوبتیں پیدا کردی تھیں، بہر حال ان حالات کو انگیز کرتے ہوئے دہلی سے روانہ ہوکر مغل سرائے تک تو رسائی ہوگئی، لیکن مغل سرائے کے بعد سفر کی تمام صورتیں ناممکن ہوگئیں، کیونکہ ریلوے کی پٹریاں تو تحریک کی نذر ہوگئیں تھیں اور عام راستوں اور سڑکوں کو سیلاب نے ناقابل عبور بنادیا تھا، مجبوراً احقر جونپور واپس ہوا، اور محترم حاجی ولی محمد صاحب مرحوم کے ایک مکان میں گوشہ نشین ہوکر اس لٹیریچر کو مختلف صورتوں سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کا انتظام کیا، یہ ہیں آپ کے مجاہدانہ عزائم اور کارنامے، نہ معلوم اس تحریک میں اس طرح کے کتنے واقعات پیش آئے ہوں گے۔(۲)

(۴) تحریک ۱۹۴۲ء کے موقع پر گرفتار شدہ بزرگوں کی جانب سے آپ موقع بموقع باغیانہ سرکلر جاری کیا کرتے تھے، ایک سرکلر جو سراسر باغیانہ تھا، اس کو پشاور کالج کے طلبہ نے

(۱) مجاہد ملت نمبر ۵۲۔ (۲) مجاہد ملت نمبر صفحہ ۵۲۔

پشتوں میں ترجمہ کرکے شائع کیا، اور مولانا مرحوم کا نام بھی لکھ دیا، جس کی پاداش میں گرفتار ہوئے، اور ۱ اکتوبر۱۹۴۲ء تا اپریل۱۹۴۴ء مرادآباد اور بریلی کی جیلوں میں رہے، اس موقع پر مرادآباد جیل میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی رفاقت اور معیت حاصل ہونے کے ساتھ مدرسہ شاہی مرادآباد کے بہت سے اساتذہ اور طلبہ شریک اسارات رہے، جن کی تفصیل علماءِ حق جلد دوم میں ملاحظہ کی جائے۔

(۵) ہنگامہ ۴۷ء کے بعد وہ علاقے جو مسلمانوں کی آبادی سے خالی ہوکر کمزور ہو گئے تھے، ان علاقوں کے بچے کھچے مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کے لیے مولانا مرحوم نے انتھک جدوجہد کی، ہماچل پردیش، راجستھان اور میوات کے پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں دن ورات دورے کئے، ان کو ڈھارس بندھائی، دینی مکاتب قائم کئے، مجدد الف ثانی کے مزار کو شرناتھیوں سے محفوظ رکھنا آپ ہی کا کارنامہ ہے۔

(۶) آزادی کے بعد فوراً نئی نسلوں میں دین کی حفاظت کا کام بنیادی تھا، جمعیۃ علماء ہند نے اپنے سولہویں اجلاس منعقدہ لکھنؤ ۱۶/تا ۱۸/اپریل ۱۹۴۹ء میں دینی تعلیم کی مہم کو اپنا سب سے اہم پروگرام قرار دیا، اس تحریک کو چلانے کا کام مولانا مرحوم کے ہاتھ میں تھا، اور آپ نے کامیابی کے ساتھ چلایا اور مجوزہ نصاب کی ترتیب وتدوین کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی اور آپ نے دینی تعلیم کے رسالے تحریر فرمائے۔

(۷) جب جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اجلاس اجین منعقدہ ۹/تا ۱۱/دسمبر ۱۹۶۰ء میں شرعی پنچایتوں کے نظام کو جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ نے ہی اس کا ضابطہ عمل اختیارات وفرائض اور احکام تیار کئے۔

(۸) ہندوستان کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر آپ کی تحریک پر جمعیۃ علماء ہند نے "مباحث فقہیہ" کا شعبہ قائم کیا، تو آپ ہی اس کے مدیر بنائے گئے، اور آپ نے "رؤیت ہلال" "حقوق طبع"، "کوآپریٹو سوسائٹیوں" وغیرہ پر بحث وتحقیق کا کارنامہ انجام دیا۔

(۹) ۱۹۴۷ء کے بعد مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروری نے الجمعیۃ کو دوبارہ

جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ ہی نے اس کی ذمہ داری کو سنبھالا، مولانا مرحوم لکھتے ہیں ''ابھی ۴۷ء کا پرآشوب دور ختم نہیں ہوا تھا کہ لکھنؤ میں ۲۹؍۳۰؍دسمبر ۴۷ء کی تاریخیں آزاد کانفرنس کے لیے طے کردی گئیں، وسط دسمبر میں احقر چند ضرورتوں سے دہلی سے باہر گیا ہوا تھا، ۲۰؍دسمبر کو سہارنپور میں مجاہد ملت کا تار پہنچا اور احقر خطرناک راستے طے کرتا ہوا، خدا کے فضل سے دہلی پہنچ گیا، یہاں مجاہد ملت روزنامہ ''الجمعیۃ'' کے جاری کرنے کا عزم فرما چکے تھے، اور احقر کو اسی لیے طلب فرمایا تھا، کہ بلاتوقف روزنامہ جاری کردیا جائے، چنانچہ ۲۳؍دسمبر ۴۷ء سے یہ روزنامہ پھر جاری ہوگیا، جو ۹؍سال پہلے برطانوی حکومت کے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی نوازشوں کا شکار ہو چکا تھا، فرق یہ ہوا کہ پہلے سہ روزہ تھا اور اس مرتبہ مجاہد ملت کے حوصلہ عالی نے اس کو روزنامہ قرار دیا۔(۱)

(۱۰) آپ کے قلم نے جمعیۃ علماء ہند کے دستاویز کو محفوظ کردیا اور علماء حق کے کارناموں کو زندہ جاوید کردیا، جمعیۃ علماء کے پاس آج بھی جو تاریخ ہے، وہ مولانا مرحوم کی رہین منت ہے، یقیناً آپ جمعیۃ علماء کے ذہن اور قلم تھے، اور بقول حضرت مدنی آپ ''حیوان کاتب'' تھے۔(۲)

---

(۱) مجاہد ملت نمبر صفحہ ۸۰۔

(۲) تاریخ شاہی نمبر صفحہ ۳۹۸۔

چوتھا باب

دینی علمی، مذہبی، تنظیمی کارنامے
اور تصنیفات و تالیفات

دینی وعلمی، مذہبی، تنظیمی کارنامے

اور تصنیفات وتالیفات

دینی وعلمی کارنامے

مولانا سید محمد میاں صاحب بہت سی کتابوں کے مصنف اور نامور مؤرخ ہیں، فقہ اور تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی، ہندوستان کی تاریخ میں ان کی علمی اور تصنیفی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

جمعیۃ علماء کی سیاسی تاریخ اور اس کے ریکارڈ پر ان کی نظر بڑی وسیع تھی، علماء ہند کی سیاسی خدمات سے عوام کو روشناس کرانے کے لیے انہوں نے عظیم تصنیفی کارنامہ انجام دیا ہے۔

ہندوستان کے آخری عہد اسلامی کی تاریخ پر ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا، خاندان ولی اللہی وبزرگان دیوبند کی علمی وسیاسی اور دینی وتبلیغی خدمات پر ان کی تحریریں بڑی وقیع اور مفید سمجھی جاتی ہیں، یوروپ وامریکہ کے مصنفین بھی ان کے حوالے دیتے ہیں، ان کی تصانیف کو قبول بھی عام حاصل ہے، غرضیکہ انہوں نے اسلامی کتب خانہ میں ایک بیش بہا علمی وتصنیفی کارنامہ کا اضافہ کیا ہے، جس سے تاریخ اسلامی کے کثیر التصانیف عظیم مصنفین میں مولانا کا شمار ہوگا اور وہ رہتی دنیا تک یاد کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ

آپ کا خاص موضوع

آپ کے شاگرد رشید مولانا اسیر ادروی آپ کے خاص موضوع اور جماعت پر آپ کے احسانات کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''اسلامی ہند کے دور آخر کی تاریخ ان کا خاص موضوع تھا، ان

کی بیشتر کتابیں اسی دور کی تاریخ سے وابستہ ہیں، آزادی کے بعد اسلامیات کو آپ نے اپنا موضوع سخن بنایا، اور کئی اہم ترین اور شاہکار کتابیں معرض وجود میں آئیں، جمعیۃ علماء ہند کی صف میں جماعت کے بھرپور تعارف کے سلسلے میں اگر کوئی اپنی تحریروں کے ذریعہ زندہ جاوید ہوگیا، تو یہی ہمارے استاذ محترم مولانا محمد میاں صاحب ہی ہیں، یہ جماعت آپ کے زرنگار قلم کے احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔(۱)

نونہالان اسلام کی تعلیم وتربیت

تدریس وتحدیث وافتاء اور تصنیف وتالیف اور ملک وملت کی عظیم سیاسی مصروفیتوں اور گوناگوں ذمہ داریوں کے باوجود آپ کو نونہالان اسلام (بچوں اور بچیوں) کی تعلیم وتربیت اور مدارس ومکاتب کے نظام تعلیم کی اصلاح وتسہیل سے خاص شغف تھا، اسی لیے آپ نے بچوں کے لیے دینی تعلیمی نصاب مقرر فرماکر اس کے لیے از خود تقریباً ایک درجن دینی تعلیم کے رسالے اور چارٹ وغیرہ بڑی جانفشانی سے تیار فرمائے، جو سہل ہونے کے ساتھ مفید ترین معلومات سے لبریز بھی ہیں، آپ کے یہ رسائل تقریباً پورے ہندوستان میں مقبولیت کے ساتھ رائج اور اکثر مدارس میں داخل نصاب ہیں۔

اساتذہ کی ٹریننگ کا انتظام

آپ نے صرف نصابی کتابوں اور تعلیمی چارٹوں ہی پر بس نہیں کی، بلکہ تعلیمی باقاعدگی کے لیے آپ نے ۱۹۵۶ء و۱۹۵۷ء میں دہلی کے اندر اساتذہ کی ٹریننگ کا انتظام فرماکر ہندوستان بھر کے دینی مدارس کے ذمہ داراوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے فارغین میں سے کچھ نمائندے دہلی بھیجیں، ارباب مدارس نے آپ کی یہ دعوت قبول کی، اور اپنے فارغین کو ٹریننگ کے لئے دہلی بھیجا، مولانا نے ان کو بذات خود بھی ٹریننگ دی اور جامعہ ملیہ ومدرسہ

(۱) تاریخ شاہی نمبر ۴۶۶۔

فتحپور، دہلی وغیرہ کے ماہرین تعلیم اساتذہ سے بھی اس سلسلہ میں تعاون حاصل کیا۔

رسالہ قائد کا اجراء

مدرسہ شاہی کے دوران تدریس شاہی کمیٹی قائم کرکے اس کی طرف سے مارچ ۱۹۳۸ء میں ''قائد'' نامی رسالہ جاری فرمایا، جس کے قائد التحریر خود آپ تھے، مدیر مسئول مولانا اختر الاسلام صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور منیجر حکیم انظار احمد مرحوم، ان درسی، تصنیفی وسیاسی مشاغل کے ساتھ دیگر اہم مصروفیات بدستور جاری رہیں۔

تصنیف وتالیف

درس وافتاء کی مصروفیتوں اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی آپ نے جاری رکھا، یہ آپ کا کمال ہے کہ طوفانی سیاسی زندگی کے باوجود آپ نے متعدد اہم تصانیف یادگار چھوڑیں، آپ نے تقریروں سے زیادہ تحریر سے کام لیا، اللہ تعالی نے آپ کو لکھنے کی بے پناہ صلاحیت دی تھی، جس کا آپ نے خوب خوب فائدہ اٹھایا، آپ اپنی تصانیف میں ایک مشاق مصنف اور صاحب قلم، تحریر وانشاء پردازی میں ایک صاحب طرز ادیب، تحقیق ودرایت میں ایک نکتہ رس فقیہ اور صاحب بصیرت مؤرخ نظر آتے ہیں، آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے کثیر التصانیف فضلا میں ہوتا ہے، آپ کی تصانیف کی تعداد ستر سے زائد ہے۔

بعض تصانیف کا تعارف

مولانا محمد میاں صاحب نے ہر موضوع پر ایسی کتابیں تحریر فرمائیں جن سے مسلمانوں کو علمی مواد فراہم ہوجائے اور غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت بھی، بعض تصنیفات سے متعلق آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں:

’’اقتصادیات پر آپ نے ’’اسلام کے اقتصادی اور سیاسی مسائل‘‘ کے نام سے کتاب تحریر فرمائی، آپ نے ۱۹۳۸ء میں ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا، جس کا نام ہے ’’آنے والے انقلاب کی تصویر‘‘ اس میں جو معلومات جمع کی گئی ہے اور جو خاکہ مرتب کیا گیا ہے، وہ اس دور میں ان کی نگاہ دور بیں کا شاہکار ہے، یہ کتاب اگر چہ زمانہ تحریر کے اعتبار سے پرانی ہے، مگر مضمون کے لحاظ سے جدید ہے، ایک ضخیم کتاب ’’سیرت مبارکہ‘‘ کے نام سے سیرت پر لکھی، معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب غیر مسلموں کو دعوت دینے ہی کے لئے لکھی ہے، اسی لئے اسے سب سے پہلے ’’انسان‘‘ کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ عجیب معلومات سے پر ہے، اس کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

’’کتاب جس قدر لوازم ظاہر کے لحاظ سے خوشنما اور دلفریب ہے، اسی قدر معنوی حیثیت سے قابل داد اور اعلی ہے، سیرت مبارکہ پر بڑی چھوٹی کتابیں اب تک ارود میں بے شمار لکھی جا چکی ہیں، اور بعض بڑی بلند پایہ ہیں، مثلاً شبلی وسلیمان کی سیرت النبی؛ لیکن یہ سب سے نرالی، سب سے انوکھی، سب سے البیلی ہے، فاضلانہ مگر خشک مطلق نہیں، مختصر مگر مجمل کہیں سے نہیں، مفصل مگر بار خاطر کہیں سے بھی بننے والی نہیں، عام پسند مگر عامیانہ ہونے کے شائبہ سے بھی پاک، ندرت سے لبریز مگر غرابت واجنبیت سے سراپا پرہیز وگریز، اسلوب بیان ایسا کہ بغیر دیکھے اور پڑھے اس کا ذہن میں آنا دشوار ہے، کتاب تمام تر بیسویں صدی کے ناظرین کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے‘‘۔

مغازی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بیش قیمت کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس کا نام ’’عہد زریں‘‘ ہے، اس میں صحابہ کرام کے احوال مبارکہ بھی ہیں، یہ دونوں جلدیں سیرت مبارکہ کی جلد دوم وسوم کا درجہ رکھتی ہیں، یہ کتاب ازالۃ الخفاء مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور اس میں اس کے مضامین کی تشریح بھی ہے، عام فہم ہے، اور علماء میں بہت مقبول، شواہد تقدس، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر مودودی صاحب کے

اعتراضات کے جوابات میں تحریر فرمائی تھی، احادیث کی ایک کتاب ''مشکوۃ الآثار'' لکھی جو دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں داخل ہے، ترجمہ نورالایضاح فقہ میں اور بچوں کے رسائل میں ''ہمارے پیغمبر'' اور'' تاریخ اسلام'' بہت پہلے کی تصانیف ہیں، مالٹا میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے حضرات کے احوال پر مشتمل ایک کتاب لکھی، اس کا نام ''اسیران مالٹا'' ہے۔

۱۹۷۴ء میں والد صاحب نے مجھے تحریر فرمایا تھا کہ جب حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ نے خودنوشت سوانح حیات تحریر فرمائی تو میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ یہ سوانح حیات تونہیں ''نقش حیات'' ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کوان کا یہ جملہ پسند آیا تو آپ نے اس کا نام ''نقش حیات'' رکھ دیا، اسی گرامی نامہ میں یہ اطلاع بھی تھی کہ اب آپ (۱۹۷۵ء) میں حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالی کی سوانح حیات تحریر فرمارہے ہیں۔

۷۵ءہی میں آپ نے انڈیا آفس لائبریری کی سی آئی ڈی کی رپورٹوں سے ''تحریک شیخ الہند'' نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی، جس کا افتتاح صدر جمہوریہ ہند نے اپنے قصر صدارت میں غالبًا ۵/جولائی ۷۵ءکو کیا، جس میں تقریباً تمام وزراء مع وزیراعظم وارکان اسمبلی ومعززین سب ہی کو بڑی تعداد میں مدعو کیا گیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے بہت عقیدت تھی، اورشایداسی بناپرفخرالدین صاحب نے اس کا افتتاح اس بڑے پیمانہ پرکیا، نیز یہ منشاء بھی ہوگا کہ حقیقتاً قربانی دینے والے حضرات کے احوال سامنے آنے چاہئیں، حقیقتاً جدوجہد آزادی شروع کرنے والے اوراسے پروان چڑھانے والے حضرات میں خصوصاً طبقہ علماء ہی تھا نہ کہ نواب، جاگیردار، اورسروغیرہ کے خطابات حاصل کرنے والے لوگ، یہ لوگ تو خال خال ہی ہوں گے، جنھوں نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیاہو۔

رسائل دینیہ کانصاب ہندوستان بھرمیں مقبول ہوا، مولانا ازہرشاہ قیصر رسالہ''دارالعلوم''

کے ایک تعزیتی نوٹ میں جوانہوں نے دسمبر ۷۵ء کے پرچہ میں لکھا تھا، تحریر فرماتے ہیں: ”
جمعیۃ کی سیاسی خدمات سے دنیا کو متعارف کرانے والے مولانا موصوف ہی تھے، دسیوں کتابیں آپ نے لکھیں اور بڑی محنت وجانفشانی سے لکھیں، سیاسی علماء پر مولانا کے جو احسانات ہیں وہ بھلائے نہیں جاسکتے، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کے دور نظامت میں آپ نے ”دینی تعلیم کا رسالہ“ بارہ حصوں میں چھوٹے بچوں کے لئے لکھا اور اسے اپنے اہتمام میں عمدہ کتابت وطباعت سے شائع کرایا، اور بحیثیت مصنف اس پر اپنا نام درج نہیں کیا، یہ مولانا کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ دینی تعلیم کا رسالہ پورے ملک میں بہت مقبول ہوا، اس سے پہلے آپ نے بچوں کے لئے تاریخ الاسلام نام کا رسالہ تین حصوں میں لکھا تھا، کہا جاسکتا ہے کہ آج کوئی بچے والا گھر ان رسالوں سے خالی نہیں، میرا اندازہ ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی ستر سے زیادہ کتابوں کے آپ مصنف ہیں“۔

یہ رسالے اور ان کے معاون عمدہ چارٹ ایک نہایت عمدہ تعلیمی سیٹ ہے، بچوں کے لئے ابتدا سے آٹھویں جماعت تک کے لئے ان میں آداب واخلاق، عقائد وعبادات اور ضروری مسائل سب دلچسپ پیرایہ میں ہیں۔

علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، دو حصوں میں ہیں، پہلے حصہ میں ۱۸۵۷ء سے حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے دور تک کے حالات ہیں، دوسرا حصہ زیادہ ضخیم ہے، اس میں ان علماء کے حالات ہیں جنہوں نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، یا ان کے معاون رہے، یہ کتاب اسی نقطہ نظر سے شاندار ماضی کی طرح لکھی گئی ہے، اس میں ۱۹۴۷ء تک کے حالات ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند کیا ہے؟ اور مختصر تذکرہ خدمات جمعیۃ علماء ہند، دو حصوں میں تحریر فرمائیں، یہ بھی اس طرح کی کتابیں ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد ایک طرف تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو برآمد کیا جائے، دوسری طرف ان کی

تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نظر اس چیز پر منعطف ہو کر رہ گئی تھی کہ مسلمانوں کو اسلام پر کیسے قائم رکھا جائے۔

آخر عمر میں آپ نے پھر پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا، مدرسہ امینیہ میں شیخ الحدیث وصدر مفتی کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنے نقطہ نظر سے بلند پایہ محققانہ تصانیف کا کام انجام دیتے رہے، مجھ سے ایک مرتبہ گفتگو فرما رہے تھے تو یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ مجھے دوبار ہندو مسلم لیڈروں نے متفقہ طور پر بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو جانے کی پیش کش کی، لیکن میں نے اسے پسند نہیں کیا، میں نے عرض کیا کہ ضرور قبول کر لینی چاہئے تھی، بہت سے کام ہو سکتے تھے، اس پر ذرا خفگی سے جواب دیا کہ ''تم بھی ایسی باتیں کرتے ہو'' مطلب یہی تھا کہ ان کا ذہن اس طرف رواں تھا کہ ایسی تحریرات سامنے آنی چاہئیں جو مسلمانوں کی بقا اور ترویج اسلام کا ذریعہ بنیں، اور ممبر ہونے کے بعد آدمی اور کاموں میں پھنس جاتا ہے''۔(۱)

سید محبوب صاحب رضوی لکھتے ہیں: ''مولانا سید محمد میاں علم و عمل کے پیکر اور مشہور عالم ہیں، بہار اور پھر مراد آباد میں عرصہ تک درس و تدریس کا مشغلہ رہا، پھر مرکزی جمعیۃ علماء کی نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے، علماء کی سیاسی خدمات سے عوام کو روشناس کرانے میں آپ نے زبردست تصنیفی کارنامہ انجام دیا ہے، جمعیۃ علماء کی سیاسی تاریخ اور اس کے ریکارڈ کے آپ تنہا مصنف ہیں، تاریخ اسلام، علماء ہند کا شاندار ماضی، علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے وغیرہ کتابیں ان کی گرانقدر تصانیف ہیں، جمعیۃ علماء ہند کا تعلیمی نصاب بھی آپ ہی کے قلم کا رہین منت ہے، بچوں کے لئے نصابی کتابیں، ان کی نفسیات کے مطابق لکھنے کا ان کو خاص ملکہ ہے، ان کی تصانیف کو قبول عام حاصل ہے۔(۲)

---

(۱) قلمی تحریر از مولانا سید حامد میاںؒ۔

(۲) تذکرہ سادات رضویہ دیو بند ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۱۔

فنی ترتیب سے آپ کی تصنیفات کی اجمالی فہرست

مولانا کی جملہ تصنیفات اوران کی فن وار ترتیب سے متعلق آپ کے صاحبزادے مولانا ساجد میاں تحریر فرماتے ہیں کہ ''تصانیف کی تعداد ستر یا اس سے زائد ہے، بہت سی کتابیں ناپید ہو چکی ہیں، کچھ وہ ہیں جو احقر کے نام سے شائع نہیں ہوئیں، کسی اور نام سے یا اداروں کی طرف سے شائع ہوئی ہیں، چند کتابوں کے نام فنی ترتیب سے پیش کیئے جاتے ہیں۔

ہندوستان کی سیاست اور علماء کرام کی جدو جہد کے متعلق

(۱) علماء ہند کا شاندار ماضی ۴؍جلد، یہ آپ کی شاہکار تصنیف ہے، اس کتاب نے سامراجی طاقت کے کالے کرتوت اور ظلم وتشدد کی داستانوں کو واشگاف کر کے اس حکومت کو جھنجھوڑ ڈالا، جس کی فرماں روائی میں سورج غروب نہ ہوتا تھا، یہ کتاب مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۳۴ھ سے لیکر ۱۸۵۷ء کے مجاہدین حریت کے مجاہدانہ کارناموں پر مشتمل ہے، اولاً مدرسہ شاہی کے قیام کے دوران ۱۹۳۹ میں تحریر فرمائی، جس کو جابر حکومت نے ضبط کر لیا اور مصنف کو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا، دوبارہ آزادی کے بعد غالباً ۱۹۵۷ء میں از سر نو اضافوں کے ساتھ ترتیب دیا۔

(۲) علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ۲؍جلد، یہ کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کا تکملہ ہے، جس میں ۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک مجاہدین حریت کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے، بالخصوص شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے مجاہدانہ کردار کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۳) مختصر تذکرہ خدمات جمعیۃ علماء ہند، ۴؍حصے۔

(۴) جمعیۃ علماء کیا ہے؟ ۲؍حصے، اس کتاب میں جمعیۃ علماء ہند کی خدمات اور اس کی

تجاویز کو مرتب کیا گیا ہے، تاریخ جمعیۃ میں یہ کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۵) ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

(۶) تحریک ریشمی رومال۔

اسلامی تاریخ کے متعلق

(۷) تاریخ الاسلام ۳؍حصے

(۸) ہمارے پیغمبر۔

(۹) عہد زریں دو جلد

(۱۰) شواہد تقدس، مودودی صاحب کی خلافت وملوکیت کا جواب ہے۔

(۱۱) پانی پت اور بزرگان پانی پت

(۱۲) عرب قبل اسلام

(۱۳) مقدمہ سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن وتاریخ کے آئینہ میں

(۱۴) حیات آدم

سیاست واقتصادیات کے متعلق

(۱۵) دور حاضر کے سیاسی واقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات واشارے

(۱۶) ہمارا وطن اور اس کی شرعی حیثیت

(۱۷) اسلام اور حفاظت جان

(۱۸) صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت

(۱۹) مسلم سوشلٹ (نایاب)

(۲۰) جمہوریت اپنے آئینہ میں

(۲۱) ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء مسلم علماء کا کردار

سیرت وسوانح سے متعلق

(۲۲) سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ

(۲۳) حیات شیخ الاسلام

(۲۴) مجاہد جلیل، ان دونوں کتابوں میں شیخ الاسلام مولانا مدنی کے حالات قلمبند کے گئے ہیں، اول الذکر میں تفصیلی اور ثانی الذکر میں اجمالی، آپ کی سوانح میں یہ کتابیں بنیادی اور مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۲۵) اسیران مالٹا: اس کتاب میں اسیران مالٹا شیخ الہند، شیخ الاسلام، مولانا حکیم نصرت حسین، مولانا وحید احمد مدنی اور مولانا عزیز گل کے حالات مرقوم ہیں۔

(۲۶) تحریک شیخ الہند، انڈیا آفس لندن کی سی آئی ڈی رپورٹ کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہے، جس کی رسم اجراء صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد مرحوم کے دست مبارک سے ۵/ جولائی ۱۹۷۵ء کو عمل میں آئی، اس کتاب میں جنگ آزادی کی ایک اہم کڑی ریشمی رومال تحریک کا مفصل ذکر ہے، اس زمانہ میں مولانا مرحوم کی سیاسی وعلمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے، حکومت ہند نے آپ کو تانبر پتر عطا فرمایا، اور وظیفہ مکان کی سہولیات کی پیش کش کی، آپ نے تانبر پتر کا اعزاز یہ کہہ کر قبول کرلیا کہ اس سے جہاد آزادی میں مسلمانوں کی خدمات کا ریکارڈ قائم ہوگا، باقی سہولیات قبول نہیں کیں، یہی عمل حضرت شیخ الاسلام کا تھا۔(۱)

اسلامی افکار وعقائد سے متعلق

(۲۷) اسلام اور اسلامی فکر کیا ہے؟ ۵/ حصے

(۲۸) دین ودنیا کا سنگم

(۱) ندائے شاہی، اپریل مئی ۹۰/ صفحہ ۱۹/۱۸۔

(۲۹) حیات مسلم، مسلمانوں کی زندگی مہد سے لحد تک

(۳۰) اسلام کیوں؟

(۳۱) قرآن حکیم اور تفسیر انسانیت

(۳۲) انسان اور انسانیت، منزل بمنزل

(۳۳) مرادآباد جیل میں درس قرآن کی سات مجلسیں

(۳۴) چاند تارے اور آسمان

وقتی سیاسی مباحث کے متعلق بزمانہ انتخابات ۴۵/۴۴ء

(۳۵) آنے والے انقلاب کی تصویر

(۳۶) خطرناک نعرے اور جمعیۃ علماء ہند کا صراط مستقیم

(۳۷) درر منثورہ بسلسلہ ردمودودیت

دینی تعلیم وتربیت کے متعلق

(۳۸) دینی تعلیم کے رسائل ۱۲/حصے

(۳۹) مرقعات ۱۸/حصے

(۴۰) طریقہ تقریر دو حصے

(۴۱) تعلیمی کارڈ دو حصے

(۴۲) روزہ وزکوۃ

(۴۳) اسلام اور انسان کی حفاظت وعزت

(۴۴) دین کامل

(۴۵) مسئلہ تعلیم اور طریقہ تعلیم

(۴۶) ترک وطن کا شرعی حکم

حدیث شریف کے متعلق

(۴۷) مشکوۃ الآثار عربی حدیث: جو دارالعلوم جیسے مدارس میں داخل نصاب ہے۔

(۴۸) مسنون دعائیں

(۴۹) اسلامی تعلیمات

تراجم

(۵۰) نورالاصباح ترجمہ وشرح نورالایضاح

(۵۱) اقسام حکومت ترجمۂ انواع الدول

(۵۲) سورہ فاتحہ کی سیاسی تفسیر

(۵۳) امامت امت کا دستور اساسی (از مولانا محمد میاں منصورالانصاری) کا ترجمہ

حواشی

(۵۴) تقریر دلپذیر، از حضرت مولانا نانوتوی کے عنوانات اور حواشی

(۵۵) انتصار 〃 〃 〃 کے حواشی

حیوان کاتب

مذکور الصدر تصنیفات کے علاوہ ہندوستان کے مشہور جرائد، الجمعیۃ، مدینہ، برہان، دارالعلوم وغیرہ میں آپ کے علمی و تحقیقی مقالات برابر شائع ہوتے رہے، جن کو اگر جمع کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں ہوجاتی ہیں، اس وسعت تالیف وکثرت تصنیف کی وجہ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی آپ کو مزاحاً ''حیوان کاتب'' فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی تین تصنیفی وتالیفی تمنائیں

مولانا سید محمد میاں کے ذہن میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے دو تین خیال گشت کرتے

رہے، ان کا اظہار انہوں نے اپنے ایک مشہور شاگرد قاضی اطہر مبارکپوری کے نام ایک خط میں کیا ہے، کاش دورِ حاضر میں ان کے اس خیال کو لے کر چند لوگ اسے عملی جامہ پہنائیں، آپ لکھتے ہیں کہ احقر کے ذہن میں چند کام ہیں:

انسائیکلوپیڈیا آف انڈیا، یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور اگر وسائل مہیا ہوں تو حکومت سے اس میں امداد بھی مل سکتی ہے، مگر عربی اور فارسی کی واقفیت سے کام نہیں چلے گا، ہندی سے بھی واقفیت ہونی چاہئے، اور انگریزی سے بھی، مگر کام بہت بڑا ہوگا، ہندوستان کی تمام اہم لائبریریوں کو کنگھالنا ہوگا۔

اگر یہ نہ ہو تو دوسرا کام ہے ''تاریخ مذاہب ہند'' یہ پہلے کے مقابلہ میں آسان ہے، اور ابوریحان بیرونی کے ''الہند'' سے بہت مدد مل سکتی ہے، مگر کم از کم ہندی کی واقفیت اس میں بھی ضروری ہے۔

تیسرا کام جو ان کے مقابلے میں آسان ہے، وہ ''تاریخ علماء اور مشائخ ہند'' اس میں اتنا اضافہ اور کر لینا کہ سیاسی وسماجی ماحول کو بھی شامل کرلیں، اور اس کا نام ہو ''تاریخ علماء ومشائخ ہند'' ان کے سیاسی اور معاشرتی ماحول اور خدمات ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' اسی انداز پر مرتب کیا گیا ہے، مگر وہ صرف سلسلہ شاہ ولی اللہ کی حدود میں محدود ہے، اس کے لیے قدیم کتب خانوں سے استفادہ کرنا ہوگا۔(۱)

آپ کی عظیم ذمہ داریاں

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی وفات کے بعد مولانا نظامت جمعیۃ کے بارگراں سے گو مستعفی وسبکدوش ہوگئے تھے، مگر اس کے علاوہ آپ پر گوناگوں عظیم ذمہ داریاں تادم واپسیں رہیں:

(۱) دارالعلوم دیوبند کی رکن شوری جس میں آپ نہایت اہتمام سے انعقاد مجلس شوری

(۱) جمعیۃ علماء نمبر ۹۷ء۔

سے کم از کم ایک یوم قبل دارالعلوم تشریف لاتے اور جملہ اراکین کے بعد واپس ہوتے، اپنے مادر علمی دارالعلوم سے آپ کو کمال درجہ کی دلچسپی اور والہانہ لگاؤ تھا، آپ طلبہ و مدرسین کا انتظامی امور میں دخل پسند نہ فرماتے تھے۔

اس طرح آپ ۱۳۷۰ھ سے تادم وفات دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری اور عاملہ کے رکن رکین رہے، پابندی کے ساتھ مجلس شوری کے ہر اجلاس میں شرکت فرماتے، مسائل میں پوری دلچسپی لیتے اور ان مجالس کی تجاویز بالعموم موصوف ہی قلمبند کرتے، کارروائی کی رپورٹ ایسے چست انداز میں لکھتے کہ قیل وقال کی گنجائش نہ رہتی، مجلس ہمیشہ مولانا مرحوم کی رائے کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتی، دارالعلوم کے علاوہ بہت سے مدارس اور اداروں کے رکن نگراں اور سرپرست رہے۔

(۲) آپ مدرسہ شاہی مرادآباد کے صدر مہتمم بھی تھے، مدرسہ کے جملہ کلی وجزوی امور پر گہری نظر رکھتے تھے، آخر حیات تک پابندی سے مجلس شوری میں اور اس کے علاوہ حسب ضرورت مرادآباد تشریف لاتے رہے۔

آپ حق بات کہنے میں کسی کی رورعایت نہ کرتے تھے، حق وصداقت اور مدرسہ کی خیر خواہی آپ کی عادت تھی، اس راہ میں ان کے نزدیک فلاں بن فلاں بے معنی چیز تھی، ذاتیات پر ادارہ کی مصلحتوں اور مفاد کو قربان کردینے کی ذہنیت کے سخت خلاف تھے، وہ کہتے تھے یہ ذہنیت عدل وانصاف کا خون کرتی اور اداروں کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے، مگر افسوس کہ دینی اداروں میں یہ وبا کی طرح ذہنوں میں پیوست ہوچکی ہے۔

(۳) ۱۹۶۴ء سے وفات تک آپ مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث وصدر مفتی رہے، علاوہ ازیں اور بہت سی ذمہ داریوں کو آپ نے باوجود ضعف وپیرانہ سالی تادم آخر نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔

(۴) نئے دور، نئے انقلابات اور تغیرات زمانہ کی بنا پر پیش آمدہ جدید شرعی مسائل کی

تحقیق و تنقیح کی غرض سے جمعیۃ نے مشہور مصنف اور فقیہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی ۱۹۷۰ء میں ''ادارہ مباحث فقہیہ'' کی بنیاد ڈالی، حضرت مولانا مرحوم تا حیات اس کے مدیر اور نگراں رہے۔(۱)

مدرسہ حسین بخش دہلی کی نشأۃ ثانیہ آپ کی مرہون منت ہے، غرضیکہ مولانا مرحوم نے جس ہمت و استقلال اور قربانیوں کے ساتھ قوم وملت کی خاموش خدمات انجام دی ہیں، ان کو اجاگر کرنے کے لیے ان کے جیسے ہی کسی مؤرخ کی ضرورت ہے، اس مختصر کتاب میں گویا ان کی کچھ نشاندھی کی گئی ہے، ان شاء اللہ آپ کے علمی مذہبی، سیاسی اور تاریخی کارنامے ہمیشہ یاد کیے جاتے رہیں گے ؎

فنا کے بعد زندہ ہے شان رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے میر کارواں تجھ پر

(۱) جمعیۃ علما نمبر ۲۶۹/۷۰

پانچواں باب

تقسیم ہند کے موقع پر آپ کا کردار اور جدوجہد

تقسیم ہند کے موقع پر آپ کا کردار اور جدوجہد

ہندوستانی مسلمانوں کے دل کی دھڑکن

ہندوستان کی تاریخ آزادی کے مطابق یہ بات پوری طرح عیاں ہے کہ ہندوستان کو پنجہ اغیار سے چھڑانے کی لیے بے شمار علماء کرام نے قربانیاں دیں، اگر چہ اس وقت عوام کی بے حسی اور سرد مہری نے شمع وطن کے پروانوں کی جاں نثاریوں کو عروس کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیا، لیکن اس ارض مقدس کے لیے ان کا بہایا ہوا خون رنگ لاکر رہا، ۱۹۱۹ء میں دوسری جنگ آزادی کا آغاز اور تحریک خلافت شروع کی گئی، اسوقت لاکھوں برادران ملت کے دلوں میں غیر ملکی حکومت کے خلاف احساسات وجذبات بھڑک اٹھے، اور وہ مادر وطن کو برطانیہ اقتدار سے نجات دلانے کے لیے کمر بستہ ہوگئے، چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کا قیام بھی اسی پس منظر میں ہوا، اور پھر ان کی بے غرضانہ اور بے لوث خدمات نے ہندوستانی عوام خاص کر مسلمانوں کی زندگی کے سبھی گوشوں کو اپنے دائرہ کار میں لے لیا، اس سلسلے میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اور مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی اور دیگر اکابرین نے اس کو شب و روز اپنی محنتوں سے اس طرح سینچا کہ یہ جماعت ہندوستانی مسلمانوں کے دل کی دھڑکن بن گئی، حصول آزادی کے بعد تو اس جماعت نے ہندوستانی مسلمانوں کا ڈھارس بندھانے میں جو کردار ادا کیا وہ ہندوستان کی تاریخ آزادی کا ایک بیش قیمت کارنامہ ہے۔

مولانا سید محمد میاں صاحب نے اپنے قلم سے اس جماعت کی جس طرح خدمت کی وہ

رہتی دنیا تک یاد کی جاتی رہے گی۔(۱)

ہندوستان چھوڑ دو

آزادی ہند کے سلسلہ میں جب مسلمانوں نے انگریزوں سے ہندوستان چھوڑنے کا مطالبہ کیا، اس کی پاداش میں مجاہدین کو جیلوں میں ڈالا گیا، مولانا محمد میاں صاحب کو بھی جیل جانا پڑا، مولانا موصوف خود لکھتے ہیں کہ ”۸/اگست ۱۹۴۲ء کو کانگریس نے انگریزوں سے کوئیٹ انڈیاQuit India ”ہندوستان چھوڑ دو“ کا مطالبہ کیا، اول ارکان ورکنگ کمیٹی پھر کانگریس کے سرگرم کارکن پورے ہندوستان سے گرفتار کر کے نظر بند کر دیئے گئے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، حافظ محمد ابراہیم رحمہ اللہ کو اول مرادآباد جیل میں رکھا گیا، اس احقر کو ان کی رفاقت کی سعادت حاصل رہی، پھر ان کو متفرق جیلوں میں منتقل کر دیا گیا۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی صاحب کو بریلی سنٹرل جیل میں منتقل کیا گیا اور اس احقر کو مجاہد ملت کا ضمیمہ بنا دیا گیا، تقریباً دو سال بعد یہ اسارت ختم ہوئی، مگر مجاہد ملت کی رفاقت ان کی وفات تک حاصل رہی۔

آزادی کی آمد خلاف تصور

آزادی کی آمد تصور کے خلاف ہوئی، تصور تھا ہندو مسلم بھائی بھائی، اور متحدہ ہندوستان سب کا وطن، مگر بڑی شدت سے شور مچایا گیا، ”ہندو مسلم دو قوم“ ہندوستان تقسیم کرو، مسلم محبان وطن کا مقابلہ اب تک غاصبان وطن سے تھا، اب خود برادران وطن سے ہو گیا، اس میں انتخابات کا مرحلہ آیا، اور مسلم محبان وطن کو سر ہتھیلی پر رکھ کر انتخابات میں حصہ لیتے ہوئے، خود اپنوں سے مقابلہ کرنا پڑا، مجاہد ملت پلیٹ فارموں پر رہا کرتے تھے اور خادم (محمد میاں) جمعیۃ

---

(۱) جمعیۃ علماء نمبر ۴۷۶۔

علماء ہند اور مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے دفاتر کا ذمہ دار تھا،اور گویا شب وروز معتکف، البتہ جماعت کے وقت مسجد میں جاتا تھا۔

ملک کی تقسیم اوراس کے نتائج

۱۴/اگست ۱۹۴۷ءکو پاکستان میں اور ۱۵/اگست ۱۹۴۷ءکو ہندوستان میں تقسیم کا اعلان ہوگیا اوراس کا عملی نفاذ کردیا گیا، اس موقع پر ایک طرف دہلی اور اطراف دہلی اور مشرقی پنجاب ومغربی بنگال میں دوسری طرف مشرقی بنگال اور مغربی پنجاب میں جو قیامت برپا ہوئی، دونوں طرف کے باشندوں کو جن لرزہ خیز مصائب سے گزرنا پڑا، جس طرح بستیاں نذر آتش اور لاکھوں انسانی جانیں لقمۂ اجل بنیں، ٹرینوں میں اور اسٹیشنوں پر قتل عام ہوا، قافلے لٹے، اور انسان بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح اور گاجر ومولی کی طرح کاٹے گئے، جس طرح ننگ وناموس بے قیمت وپامال اور انسان کا خون ارزاں ہوا، وہ ایک تلخ ترین داستاں ہے، جو انسانیت کی پیشانی کا داغ اور ہر حساس ودردمند انسان کے سینے کا زخم ہے، اور مشرقی پنجاب مسلمانوں کے وجود سے (جس کو قدرت الٰہی نے صدیوں سے اس حصے کی قسمت میں رکھا تھا) خالی ہوگیا اور وہاں کی سرزمین مسلمانوں سے اور فضائیں اذانوں سے محروم ہوگئیں:

مَدَارِسُ اٰیَاتٍ خَلَتْ مِنْ تِلَاوَۃٍ
وَمَنْزِلُ عِلْمٍ مُقْفِرُ الْعَرَصَاتِ (۱)

مشرقی پنجاب سے جو مسلمان ریلوں کے ذریعہ پاکستان گئے تھے، بڑے ہولناک مصائب سے گزر کر پہنچے، ان کے بہت سے ساتھی ان کی آنکھوں کے سامنے تہہ تیغ ہوئے۔(۲)

---

(۱) جہاں آیات قرآنی کا دن رات درس ہوتا تھا، وہ مقامات تلاوت تک سے محروم ہیں اور جہاں علم کا شب وروز تذکرہ تھا، وہاں خاک اڑ رہی ہے۔

(۲) سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری صفحہ ۱۴۹/۱۵۱ ملخصاً۔

غرضیکہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے ساتھ اور مغربی پاکستان میں ہندو آبادی کے ساتھ جو ظلم اور سفا کی ہوئی وہ نا قابل فراموش اور ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، پورے ملک میں تعصب کی آگ اور ہریانہ و پنجاب میں ارتداد کی عام فضا تھی، گویا پورا ملک متأثر اور کشمکش کے عالم میں تھا۔

ہم نے ہندوستان آزاد کرایا ہے

پاکستان بنا، ہندو مسلم بھائی بھائی کے بجائے ایک دوسرے کے خون کا پیاسہ ہوا، جس کی وجہ سے تبادلہ آبادی ضروری سمجھی گئی، برادران ملت نے پاکستان کا رخ کیا، مگر اکابر علماء اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی جیسے حضرات نے فرمایا، ہم نے ہندوستان آزاد کرایا ہے، یہ ہمارا وطن ہے، ہم یہیں رہیں گے، اس دارالحرب کو دارالامن بنائیں گے، علمی مرکزوں کو ترقی دیں گے، مساجد کے مینارے اور گنبد بلند کریں گے، مجاہد ملت اور شیخ الاسلام کی خدمات جلیل القدر تھیں، مولانا محمد میاں صاحب ان کے معاون ومشیر کار تھے۔

تقسیم کے موقع پر مسلمانوں کے حالات

انقلاب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے اور خاص کر دلی اور پنجاب کے مسلمانوں پر جو گذری جس کا تذکرہ اوپر ہوا، وہ احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی، اس پرآشوب دور میں جب کہ مسلمان خود کو بے یارومددگار پارہے تھے، اس موقع پر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ساتھ معاون کے طور پر مولانا سید محمد میاں نے جو خدمات انجام دیں، وہ ہندوستان کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھی جائیں گی، اکابر علماء نے اس فتنہ سے مسلمانوں کو بچانے میں جان کی بازی

لگادی تھی ، اور سر ہتھیلی پر رکھ کر خدمات انجام دیتے رہے ، بڑی بات یہ کہ اس قدر پر آشوب دور میں قلم سے کام لینا اور کتابیں نیز رپورٹیں مرتب کرنا آسان کام نہ تھا ، مگر مولانا سید محمد میاں نے تصنیف وتالیف کا جو ذوق پایا تھا اس نے ان کے قلم کی روشنائی خشک نہیں ہونے دی۔(۱)

سن سینتالیس کے مسائل اور آپ کا کردار

۱۹۴۷ء کے وقتی مسائل میں پنجاب، ہریانہ، بھرت پور اور راجستھان وغیرہ میں مسلمانوں کا اپنی آبادیاں چھوڑ کر بھاگنے کا مسئلہ تھا، وہ مرتد ہو گئے اور انہوں نے غیر مسلموں کا طریق کار اپنالیا، علماء کی کوششوں سے مسجدوں کو واگزار کرایا گیا، قبرستانوں کا انتظام کرایا گیا، بچوں کے لیے دینی تعلیم کا بندوبست کیا گیا، ان سبھی کاموں میں مولانا سید محمد میاں کا عملی تعاون رہا۔

مختصراً یہ کہ مولانا سید محمد میاں نے زندگی بھر مسلمانوں کی خدمت کو شعار بنایا، اور اپنے قلم سے، نیز اپنی عملی کوششوں سے مسلمانوں کی زندگی کا رخ اسلامی تعلیمات کی طرف موڑنے کی انتھک کوشش کی ہے۔(۲)

۱۹۴۷ء کے بعد حالات اور خدمات

تقسیم ہند کے موقع پر مسلمانوں کے جو ناگفتہ بہ حالات ہو گئے تھے، اس کے بعد ان کی فکر میں بہت سے بزرگوں نے کوشش کی ، مولانا محمد میاں صاحب نے اس وقت کیا ضروری سمجھا اور کیا خدمت کی، آپ کے صاحبزادے مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ ''۱۹۴۸ء میں کرایہ پر مکان لے کر اہل خانہ کو مرادآباد سے دہلی بلالیا اور مستقل طور پر دہلی رہنے لگے، درس وتدریس کا مشغلہ چھوڑنا پڑا، لیکن اس وقت ملک میں مسلمانوں کی حالت ناگفتنی تھی،

(۱) جمعیۃ علماء نمبر ۴۷۸۔

(۲) جمعیۃ علماء نمبر صفحہ ۴۷۹۔

مشرقی پنجاب اور ہماچل میں مسلمان ہندوانہ وضع یا سکھوں کی وضع اختیار کر کے زندگی گزار رہے تھے، جہاں تباہ شدہ مسلمانوں کی تعداد ایک فی ہزار رہ گئی تھی، علماء کرام نے وہاں دورے کئے، حوصلے دلائے، شبینہ مکاتب شروع کئے، مسلمان چھپے ہوئے تھے برآمد ہونے لگے، اس کے لئے والد ماجد نے آٹھویں جماعت تک دینیات کا بارہ رسائل پر مشتمل ایک نصاب تحریر فرمایا، اس کے لئے معاون تعلیمی چارٹ بھی بنوائے، میں نے دیکھا ہے کہ وہ یہ رسائل باوضو تحریر فرمایا کرتے تھے“۔

ایک جگہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے: ”۱۵/اگست ۴۷ء کے بعد فرقہ واریت کے وہ ہنگامے شروع ہوگئے جو آج تک ختم نہیں ہوئے، ان کی داستان طویل بھی ہے اور دردناک بھی، ان ہنگاموں نے خدمات کا ایک نیا باب قائم کیا، جس کا عنوان ”ریلیف“ ہے، یعنی کشتگان ستم کو دفنانا، مجروحوں کے جسم پر دوا کی پٹیاں باندھنا اور زخمی دلوں پر تسکین اور دلداری کا مرہم لگانا، اجڑے ہوؤں کو بسانا“۔

آج کے مسلمان

تقسیم ہند کے بعد سے مسلمان ایک منظّم سازش کے تحت اور خود آپسی چپقلش اور عدم اتحاد اور ایک دوسرے کے تئیں عدم اعتماد واحترام کے پیش نظر ذلت ونکبت اور پستی کی انتہاء کی طرف جارہے ہیں، ان کی جان ومال، ان کی عزت وآبرو، ان کا سرمایہ حیات محفوظ نہیں اوران کا کوئی پرسان حال نہیں، ہر پارٹی میں مسلمان منافقت والی زندگی گزار رہا ہے، اگر کوئی پارٹی مسلمانوں کے خلاف کچھ کرتی ہے تو دوسرے اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں، مگر اسی مجرم پارٹی کے پٹھو مسلمان احتجاج کرنیوالوں کو دہشت گرد یا فساد برپا کرنیوالے قرار دیتے ہیں، اس لئے حکومت اور اس کے ہمنواؤں کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کو کتنا بھی پست کیا جائے، کتنا بھی ٹارچر کیا جائے، یہ احتجاج سے زیادہ کچھ کر ہی نہیں سکتے، یہ آج کل کے عام حالات

ہیں، اللہ تعالی ہدایت عطا فرمائے، اور یہ قوم جو قیادت کے لئے آئی ہے، جس کو برپا کیا گیا تھا لوگوں کی رہنمائی کے لئے آج وہ خود نکبت وذلت کے گہرے غار میں ہے، جنہوں نے ملک کی آزادی میں قربانیاں دی تھیں، آج ان کو وطن سے محبت کے سلسلہ میں مشکوک سمجھا جارہا ہے، اور وطن سے محبت کے سلسلہ میں ثبوت طلب کیا جارہا ہے، اور مسلمانوں نے وطن آزاد کرا کر دوسروں کے حوالہ کردیا، اب خود انصاف اور اپنے حقوق کی وصولیابی کے لئے کاسہ گدائی لیکر پھرنا پڑ رہا ہے۔

اللہ ہی مدد فرمائے ، اللہ تعالی کسی رہبر قوم اور مجدد کو پیدا فرمادے تا کہ امت کی اصلاح اور اس میں اتحاد واتفاق کی فضا قائم ہو جائے۔

چھٹا باب

علالت، وفات اور اخبار و رسائل اور اہلِ تعلق کے تاثرات

علالت، وفات اور اخبار و رسائل اور اہل تعلق کے تاثرات

علالت

مولانا محمد میاں صاحب کی علالت، مرض اور وفات سے متعلق آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ "خونی بواسیر سب سے بڑا عارضہ تھا، جس کا دورہ ۱۵؍ رمضان ۱۳۹۵ھ سے شروع ہوا، اس میں اس قدر شدت ہوتی تھی کہ بدن کا جیسے سارا خون نکل گیا ہو، لیکن اس کے باوجود میرے پھوپھا سید سادات حسن صاحب کی وفات پر ۱۹؍ رمضان ۱۳۹۵ھ کو مراد آباد کا سفر کیا، اور روزہ سے رہے، صرف تین روزے قضا ہوئے، اور تین دن تراویح نہیں پڑھ سکے، جتنے کام وہ کرتے تھے یقیناً وہ بغیر توفیق خاص کے ناممکن ہیں۔

رمضان کے بعد ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ خون چڑھانا ضروری ہے، جسے انہوں نے پسند نہ فرمایا، اس کا بدل جوس وغیرہ تجویز کئے گئے، غذا کی اشتہاء ختم ہو چکی تھی، بالآخر کمزوری بڑھتی گئی۔

ایک عزیز حافظ طاہر صاحب وفات سے دو دن پہلے مزاج پرسی کے لئے آئے تو فرمانے لگے، بھائی میں تو یہ آیت تلاوت کر رہا ہوں: "فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِی بِالصّٰلِحِیْنَ" (١) اور انتظار میں ہوں کہ کب روح پرواز کر جائے۔

---

(١) سورۂ یوسف آیت نمبر ١٠١۔

زندگی کی آخری شب

زندگی کی آخری شب میں عشاء کی نماز اذان ہوتے ہی پڑھی، پھر سانس میں دقت محسوس ہونے لگی، ڈاکٹروں خصوصاً حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کے پوتے ڈاکٹر علیم صاحب کے مشورہ سے ہسپتال میں اوکسیجن کے لئے جانا ضروری سمجھا گیا، ساڑھے گیارہ بجے وہاں داخلہ ہوا، اگلے روز صبح سے وقفہ وقفہ سے سبحان اللہ وغیرہ کلمات فرماتے رہے، کوئی بات کرتا تھا تو اس کا جواب عنایت فرماتے تھے، لیکن کمزوری کے باعث آواز بہت ہلکی تھی، شام کے وقت سب کا خیال ہوا کہ گھر لیجایا جائے، خود والد صاحب نے بھی یہی فرمایا لیکن خون کی تین الٹیاں آئیں، اس کے بعد طبیعت جیسے پرسکون ہوگئی، ساڑھے پانچ بجے ڈاکٹر راؤنڈ پر آئے تو ان سے گھر لانے کی اجازت لی گئی، ڈاکٹر سے اجازت ملتے ہی گلوکوز کی بوتل الگ کردی گئی، اس سے ان کے چہرے پر مزید سکون ظاہر ہوا۔

میرا چھوٹا بھائی شاہد میاں سلمہ آخری شب جب انہیں ہسپتال لیجایا گیا، حاضر خدمت رہا، اس نے بیان کیا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے والد صاحب گھر سے ہسپتال جاتے وقت ہی سمجھ گئے تھے، اور انہیں خود کو آخری لمحات کا انداز ہو گیا تھا، جسے انہوں نے ہم سے نہیں ظاہر کرنا چاہا، کیونکہ انہوں نے وہاں جا کر کسی سے بات نہیں کرنی چاہی اور صرف ذکر الٰہی کی طرف متوجہ رہے، سانس سے بھی اور زبان سے بھی، شاہد میاں نے کہا کہ شب کے اڑھائی بجے کے قریب ایک دفعہ جب ہاتھ سے سوئی نکالی گئی تو انہوں نے دونوں ہاتھ ایسے رکھے جیسے نماز میں باندھے جاتے ہیں، میں نے بات کر کے دیافت کرنا چاہا تو ہاتھ سے اشارہ سے منع فرمادیا کہ بات نہ کرو، اگرچہ وہ باتوں کا مختصر جواب دیتے رہے؛ لیکن زیادہ تر پوری توجہ ذکر الٰہی کی طرف رہی۔

حسن خاتمہ

ایک مسلمان کے لئے حسن خاتمہ بہت بڑی دولت ہے، اللہ پاک ہم سب کو نصیب

فرمائے، شام کو خون کی الٹیاں آنے کے بعد نظر آ رہا تھا کہ ہر سانس پر اللہ کا ذکر جاری تھا، عزیزوں میں سے دو حضرات نے زیر لب تلاوت شروع کردی، اسی اثناء میں ایک اور عزیز حافظ طاہر صاحب پہنچے، انہوں نے سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کردی، پڑھ کر دم کرتے رہے اور چمچہ سے پانی دیتے رہے، اسی دوران تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ''سبحان اللہ'' آواز بلند کہا، جو سب ہی نے سنا، تیسری بار آنکھیں بھی کھولیں اور جیسے ادھر ادھر نظریں گھومتی ہوئی آہستگی سے جھک گئیں، اس وقت طاہر صاحب سے فرمایا کہ، اب ادھر دیکھو، اللہ اللہ کی آواز اب اور آہستہ ہوتی چلی گئی، اور اس کے ساتھ آنکھیں بند ہوتی گئیں، نہ کوئی جھٹکا، نہ تشنج، نہ گھبراہٹ، بے حد سکون چھاتا چلا گیا(۱) چہرہ پر ایسی ابدی مسکراہٹ رقصاں تھی کہ دیکھنے والوں کو سکون عطا کر رہی تھی، ۱۶/ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۷۵ء چہار شنبہ ساڑھے چھ بجے وفات پائی، عمر مبارک سنین ہجریہ سے ۷۴ سال اور عیسوی سے ۷۲ سال ہوئی ''اِنَّـا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلَہٗ ، وَتَغَمَّدْنَا وَاِیَّاہُ بِرَحْمَتِكَ وَرِضْوَانِكَ وَاَدْخِلْہُ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلیٰ مِنْ جِنَانِكَ وَاجْعَلْنَا وَاِیَّاہُ مِمَّنْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ''۔

ان کے لئے مفتی عتیق الرحمٰن اور قاضی سجاد صاحب نے حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی قبر مبارک کے قریب قبر کا انتظام کیا تھا، آپ کی قبر مبارک احاطہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب میں ہے، جو قبرستان مہدیان کہلاتا ہے؛ لیکن والد صاحب کو مسجد عبد النبی کے قریب جو گور غریباں ہے وہ بہت پسند تھا، وہیں انہوں نے اپنے پھوپھی زاد بھائی سید عقیل صاحب کے لئے ۱۲/ رمضان ۹۵ء کو جگہ تجویز کی تھی، اور اظہار کیا تھا کہ انہیں اپنے لئے بھی یہ جگہ پسند ہے، یہ قبرستان بہت قدیم ہے، دہلی میں دروازہ کے باہر ہے۔

---

(۱) دہلی سے رشتہ داروں کے سب خطوط میں یہی الفاظ لکھے ہوئے تھے، اور یہ بھی ہے کہ انہوں نے جو اشارہ کیا، یوں محسوس ہوا کہ وہ ملائکہ کی طرف تھا، جو لوگ وہاں موجود تھے، ان سب کے ذہن میں یہی بات آئی، جو قرین قیاس ہے، قرآن پاک میں یہی مضمون آیا ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا '' اور استقامت کا حال ان کے آخری گرامی نامہ سے واضح ہے۔

نماز جنازہ

نماز جنازہ شاہ ابوالخیر قدس سرہ کے جانشین مولانا زید صاحب نے پڑھائی، مولانا اسعد صاحب مدنی غالباً دورۂ مدارس پر تھے، البتہ مولانا ارشد صاحب مدنی پہنچ گئے تھے، جنازہ میں تمام مسلم وزراء اور مسلم ممالک کے سفراء بھی شریک ہوئے۔ (مجھے حاجی عبدالغنی صاحب کلکتہ نے یہ تفصیل لکھی تھی، وہ نظام الدین تبلیغی جماعت میں آئے ہوئے تھے، اور نماز میں شریک ہوئے تھے)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب اسہال کی شکایت کے باعث بہت کمزور تھے، اور سہارنپور میں قیام تھا، اس لئے سفر کے قابل نہ تھے، مگر وہاں سے سب لوگوں کو دہلی بھیج دیا، حتی کہ اپنے خاص خدام کو بھی ارشاد فرمایا کہ ہم سب کو ہی وہاں ہونا چاہئے تھا، اور جنازہ میں شریک ہونا چاہئے تھا، لیکن میں سفر کے قابل نہیں ہوں، آپ لوگ شرکت کریں، جزاہ اللہ خیرالجزاء

برتو باشد رحمت باری مدام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

آپ کی خواہش کے مطابق تدفین

مولانا محمد میاں صاحب نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو عام مسلمانوں کے قبرستان (گورغریباں) میں دفن کیا جائے، چنانچہ آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو دلی گیٹ کے گورغریباں میں دفن کیا گیا (رحمہ اللہ) مگر جس قدر آپ نے نام ونمود اور شہرت کو ناپسند فرما کر گمنامی اختیار فرمائی، اللہ تعالی نے "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ" کے اصول کے مطابق آپ کو زبردست شہرت ونیکنامی عطا فرمائی۔ (۱)

---

(۱) مرأة الانوار صفحہ ۱۳۔

کتـــــبہ برمرقد

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیو بندی در قبرستان دہلی گیٹ

دہلی گیٹ کے گورغریباں میں آپ کی مرقد پر جو پتھر لگا ہوا ہے، اس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے۔

هو الباقی

کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام

ابدی آرام گاہ

مفتی و محدث اہل قلم و مجاہد حریت

۱۹ ۷۵

مرد پاک باطن مولانا السید محمد میاں دیو بندی قدس سرہ

۱۳ ۹۵

شیخ الحدیث و مفتی اعظم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند و مؤلف کتب سیرت و تاریخ

ہو کر خفا جہاں سے محمد میاں گئے
احباب پوچھتے ہیں وہ آخر کہاں گئے
آواز آئی غوث محمد یہ غیب سے
مولانا کہہ بھی دو سوئے باغ جناں

تاریخ وفات ۱۶/ شوال المکرّم ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۷۵ء

اخبار و رسائل کے تأثرات

حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی وفات کے بعد بہت سے اخبار اور رسائل اور بہت سے علماء کرام نے آپ کے حالات پر مضامین تحریر فرمائے، یہاں چند مضامین کو نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی

مدیر ماہنامہ برہان دہلی، نومبر ۱۹۷۵ء کے شمارے میں تحریر فرماتے ہیں

نرم دم گفتار و گرم بوقت پیکار

افسوس ہے کہ انجمن علم وعمل کی ایک اور شمع روشن بجھ گئی یعنی مولانا سید محمد میاں نے مختصر علالت کے بعد ۷۴ ربرس کی عمر میں ۲۲ را کتوبر کو عین مغرب کے وقت ارون ہسپتال میں داعی اجل کو لبیک ہا، اور راہی ملک بقاء ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا گوناگوں علمی وعملی کمالات کے جو ایک شخص میں شاذ ونادر ہی جمع ہوتے ہیں جامع تھے، ایک طرف وہ بلند پایہ عالم، فقیہ ومحدث تھے، دوسری طرف جنگ حریت آزادی کے نہایت بہادر اور بے خوف سپاہی، ایک طرف مورخ ومحقق اور کثیر التصانیف مصنف، اور دوسری جانب اعلی دفتری اور تنظیمی صلاحیتوں کے مالک، ایک طرف عابد شب زندہ دار اور دوسری طرف نہایت متواضع اور خلیق وملنسار، بے لوث و بے غرض، نام ونمود سے دور، شہرت ووجاہت طلبی سے نفور، نرم دم گفتار اور گرم بوقت پیکار۔

باتیں کم کرتے کام زیادہ

مرحوم دیوبند کے سادات رضوی سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے دیوبند میں پیدا ہوئے اور وہیں از اول تا آخر تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد بعض مقامات پر مدرس رہے، مگر پھر جمعیت علماء سے وابستہ ہوئے، تو اس کے ہو کر رہ گئے، وہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے دست راست تھے، اس سلسلہ میں کئی مرتبہ جیل بھی گئے، باتیں کم کرتے تھے اور کام زیادہ، نہایت سمجھ بوجھ اور ہوش وگوش کے انسان تھے، اور نہایت چشت اور مستعد، حقیقت یہ ہے کہ جمعیۃ کے دفتری نظم ونسق کا بھرم ان کے دم سے قائم تھا، اگرچہ ایک عرصہ سے درس وتدریس کا

باقاعدہ سلسلہ نہیں رہا تھا، لیکن مطالعہ کتب اور تصنیف وتالیف کا ذوق فطری تھا، اس بنا پر جمعیۃ علماء کی ہنگامہ خیز اور شبانہ روز مصروفیات کے باوجود وہ پابندی سے اس میں بھی لگے رہے، چنانچہ اسی زمانہ میں دو کتابیں ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' تین جلدوں میں اور ''علماء حق'' دو جلدوں میں ان کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوتے ہی ارباب علم وذوق کے حلقوں میں مقبول ومشتہر ہوگئیں، مشرق ومغرب میں ان سے استفادہ کیا گیا اور ان دونوں کتابوں کی حیثیت حوالہ کی کتاب کی ہوگئی، چنانچہ اس وقت بھی جب کہ یہ سطریں لکھی جارہی ہیں، راقم الحروف کی میز پر کنیڈا کے زمانہ قیام کے اپنے شاگرد ڈاکٹر یوحنا فریڈ مان پروفیسر عبرانی یونیورسٹی، یروشلم کا ایک خط رکھا ہوا ہے، جس میں انہوں نے مولانا مرحوم کی بعض کتابوں سے متعلق استفسار کیا ہے، اس سے پہلے انہیں کی نگرانی میں مرتب کی ہوئی ایک کتاب ''عہد حاضر کے علماء اسلام'' کے نام سے انگریزی میں یروشلم یونیورسٹی سے شائع ہوچکی ہے، جس پر راقم الحروف کا تبصرہ اسلامک کلچر حیدرآباد میں نکل چکا ہے، اس کتاب میں بھی کئی جگہ مولانا مرحوم کی ان کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

سیاسیات سے ترک تعلق

تقسیم کے بعد ملک میں جو حالات پیدا ہوئے، انہوں نے بہت سے شیران بیش شجاعت وقوم پرور کو دل شکستہ وبیزار کرکے عملی سیاسیات سے ترک تعلق پر مجبور کردیا، مرحوم بھی انہیں میں سے تھے، لیکن جب تک مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حیات رہے وہ جمعیت سے لگے چمٹے رہے، اور اس دور میں انہوں نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ جمعیۃ کے منصوبہ دینی تعلیم کے ماتحت مکاتب کے لیے ایک اعلی درجہ کا نصاب تعلیم مرتب کرکے اس کے مطابق بچوں اور بچیوں کے لیے کتابیں لکھ ڈالیں، جو گھر گھر مقبول ہوئیں اور مشہور ہوگئیں۔

نئی نسل کیلئے ایک مثال قائم کرگئے

۱۹۶۲ء میں مولانا حفظ الرحمٰن خدا کو پیارے ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد مولانا

سید محمد میاں جمعیۃ علماء کی نظامت اعلیٰ سے مستعفی ہوکر خانہ نشین ہوگئے، اور اب انہوں نے اپنے تئیں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، افتاء اور رکن مجلس شوریٰ کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کی خدمت کے لئے ہمہ تن وقف کردیا، اسی زمانہ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے حدیث کا درس دیتے رہے، اور سیرت اور دوسرے دینی وتاریخی موضوعات پر متعدد چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں، جو ان کے قبائے علم وفضل کا تکملہ زریں ہیں، لکھنے پر مولانا کو اس درجہ قدرت تھی کہ جب چاہتے بے تکلف لکھتے اور لکھتے ہی چلے جاتے تھے، قلم انہیں اس درجہ عزیز تھا کہ وفات سے دو دن پہلے بھی وہ ایک مضمون لکھنے کا ارادہ کررہے تھے، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی ہمہ گیر مصروفیتوں، جسمانی اسقام وعوارض اور کبرسنی کے باعث ضعف واضمحلال کے باوجود کیا مجال کہ ان کے معمولات عبادات اوراد ووظائف میں کوئی فرق آجائے، وہ چلے گئے اور نئی نسل کے لیے اخلاص وعمل، جدوجہد اور اعلیٰ اقدار حیات کے لیے ہمہ تن سعی وکوشش کی ایک مثال قائم کرگئے۔

حضرت مولانا سید محمد الحسنی ندوی

مدیر ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' ندوۃ العلماء لکھنؤ

''فجع المسلمون فی الهند بوفاة فضيلة الشيخ محمد ميان فی شهر شوال ١٣٩٥هـ رئيس قسم الحديث الشريف والافتاء بالمدرسة الأمينية بدهلی، وكانت وفاته خسارة كبيرة لهذه البلاد فی جميع المجالات الإسلامية، فإنا لله وإنا إليه راجعون، وكان الفقيد خير مثال للعالم المعاصر الذی يجمع باتزان وقصد بين العلم والدين والتأليف والسياسة والعبادة، له مؤلفات وأبحاث قيمة باللغة الأردية تعالج المواضيع العلمية والدينية والسياسية والاقتصادية والفقهية فكتابه''علماء الهند وما ضيهم الزاهر'' نال من القبول والإعجاب من جميع

الأوساط العلمية والسياسية مايزيد فى قيمته وأهميته، وكذلك كتابه" محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم" و "المشكلات السياسية والاقتصادية وحلولها فى ضوء تعاليم الإسلام"وغير ذلك من الكتب يحمل أهمية موضوعية.

وقد كان شديد الحرص على الحضور فى المهرجان التعليمى لندوة العلماء ولكن الأجل لم يمهله وقد كتب فى ذالك كتابا إلى سماحة الشيخ الندوى إلا أنه لم يتمكن من إتمامه ووافاه أجله-رحمه الله رحمة واسعة- وأنزل عليه شآبيب رضوانه، وألهم أهله الصبر والسلوان"۔(۱)

ترجمہ: شوال ۱۳۹۵ھ میں دہلی میں مدرسہ امینیہ کے شعبہ حدیث شریف اور افتاء کے صدر حضرت مولانا سید محمد میاں کی وفات سے ہندوستان کے مسلمان دوچار ہوئے، آپ کی وفات اس ملک کے تمام اسلامی حلقوں کے لئے ایک بڑا خسارہ ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم عصر حاضر کے ایک بہترین عالم تھے، جنہوں نے توازن اور میانہ روی کے ساتھ علم، دین، تالیف اور سیاست وعبادت کے درمیان جامعیت قائم کی، مرحوم کی اردو میں بہت سی تالیفات اور ایسے قیمتی تحقیقی مقالات ہیں جو علمی، دینی، سیاسی، اقتصادی اور فقہی موضوعات پر مشتمل ہیں، چنانچہ آپ کی کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' نے تمام علمی اور سیاسی حلقوں میں قبولیت حاصل کی، جس کی قیمت اور اہمیت میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، اسی طرح ان کی کتاب ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''دور حاضر کے سیاسی واقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات واشارے'' اور اس کے علاوہ دیگر کتابیں بھی اہمیت کی حامل ہیں۔

مرحوم ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی میں شرکت کے بڑے مشتاق تھے لیکن وقت موعود نے ان کو مہلت نہ دی، اس سلسلہ میں آپ نے حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی ندوی) علیہ الرحمہ کو ایک خط بھی لکھا لیکن اس کو پورا نہ کر پائے تھے کہ وقت مقررہ آ پہنچا (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ)

(۱) البعث الاسلامی لکناؤ المجلد العشرون صفحہ ۲۹۹/۳۰۰۔

اللہ تعالی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے اور اپنی خوشنودی عطا فرمائے، اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل اور تسلی کا سامان عطا فرمائے۔

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا بزرگان سلف کا نمونہ واخلاص کا پیکر تھے

راقم الحروف نے یوں تو حضرت مولانا سید محمد میاںؒ کا نام بہت پہلے سے سن رکھا تھا، اور متعدد بار سرسری ملاقات کا شرف بھی اپنے والد ماجد مولانا قاری حمید الدین سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ (شاگرد رشید حضرت علامہ انور شاہ کشمیری) - کہ جن کا اس عصر کے تقریباً تمام ہی اکابر سے گہرا ربط و تعلق تھا - کے توسط سے حاصل کر چکا تھا، لیکن دار العلوم دیوبند سے اپنا تعلیمی سلسلہ رسمی طور پر مکمل کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب ۱۹۵۸ء کے وسط میں دہلی بسلسلہ ملازمت گیا (اور تقریباً تیرہ سال وہاں رہا) تو مولانا موصوف کو نہ صرف بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا بلکہ ان کی بزرگانہ شفقتوں اور مربیانہ انداز سے مستفید ہونے کا موقعہ ملا، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، کہ راقم کو جو تھوڑی بہت علمی و قلمی ترقیوں کے مواقع نصیب ہوئے ان کی ابتدا مولانا مرحوم کی ہی توجہات کی رہین منت ہے، خوش اخلاقی، سادگی اور بے نفسی نیز تقوی، پرہیز گاری میں مولانا بزرگان سلف کا نمونہ واخلاص کا پیکر تھے، اس وقت ان کے تقوی وللّٰہیت کا دہلی میں ڈنکا بج رہا تھا (اگر چہ ملی خدمات اور بیدار مغزی وجرأت کے لحاظ سے پورے ملک میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن علیہ الرحمہ والرضوان کا طوطی بول رہا تھا)

مولانا ایک عالم مدرس مفتی اور مربی تھے

مولانا اپنی افتاد طبع کے لحاظ سے ایک عالم، مدرس، مفتی اور مربی تھے، اگر چہ جمعیۃ علماء ہند (جو اس وقت مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم تھی اور اپنے ناظم عمومی مجاہد ملت کی عظیم

شخصیت کی وجہ سے آزادی کے بعد مسلمانان ہند کی مشکلات ومصائب کا بلا شرکت غیرے درماں ہونے کی وجہ سے پورے ملک کی مرجع بنی ہوئی تھی) کی متنوع خدمات میں مشغولیت اوراس سے قبل جنگ آزادی میں عملی شرکت کی وجہ سے (چونکہ مولانا جمعیۃ کے ناظم تھے، مجاہد ملت کے انتقال کے بعد ناظم اعلی بنے) دوسرے کاموں میں زیادہ وقت دینے پر مجبور ہوگئے یا کردئے گئے تھے، مگران کا علم سے رشتہ کبھی منقطع نہیں ہوا، اسی کا یہ اثر تھا کہ مولانا عرصہ دراز بعد مدرسہ شاہی مرادآباد کی تدریس سے علیحدگی کے تقریباً تیس چالیس سال بعد دہلی کے شہرہ آفاق مدرسہ امینیہ جیسے اہم تدریسی مرکز کے شیخ الحدیث بنائے گئے تو مستفیدین کو ایسا لگا کہ مولانا ہمیشہ استاذ ہی رہے، کبھی اس کوچہ سے جدا نہیں ہوئے، پھر دم واپسیں تک ''حدیث دوست'' کی ''تکرار'' ہی میں مشغول رہے، اور ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم، الاحدیث دوست کہ تکرار می کنم'' کی عملی تصویر بنے رہے، یا یوں کہہ لیجئے (علامہ شبلی مرحوم کے الفاظ میں) ''چندے آستان غیر پر مقیم رہنے کے بعد خاتمہ بالخیر ہونا تھا''۔

مولانا وضع داری اور تعلقات کا پاس ولحاظ رکھنے والے تھے

مولانا اس نسل کی نمائندگی کرتے تھے، جس میں وضعداری، بزرگ داشت، تعلقات کا پاس ولحاظ اور خوردنوازی خمیر میں گندھی ہوئی تھی، جس کا خوشگوار تجربہ براہ راست خود راقم کو ہوا، راقم -اپنی افتادطبع کے اعتبار سے- نسبتاً کم آمیز اور تعلقات بڑھانے کی ٹیکنک یا فن سے ناآشنا ہے، اس لیے دہلی جیسی مرکزی جگہ مقیم ہوجانے اور یہ جاننے کے باوجود کہ اس وقت کے وہاں اکابر علماء میں بیشتر وہ ہیں جو والدصاحب کے شناسا بلکہ گہرے دوستوں میں ہیں، اپنا یہ تعارف کرواکر تعلق پیدا یا استوار کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی، لیکن حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو راقم پر غیر معمولی شفقت فرماتے اوراس سے حسن ظن رکھتے تھے، وہ والدصاحب سے متعارف تھے، اوران کے وسیع تعلقات سے واقف تھے، نیز استاذ محترم حضرت مولانا محمد میاں کے برادر نسبتی تھے، اس لیے استاذ محترم کی دہلی تشریف

آوری بکثرت ہوتی تھی، موصوف کو جب راقم کے دہلی میں قیام پذیر ہونے کا علم ہوا تو کسی طرح پتہ چلا کر قیام گاہ پر تشریف لائے، اس وقت اتفاق سے راقم کی ملاقات نہیں ہوسکی، موصوف نے ایک مختصر سے نوشتے میں اپنی تشریف آوری اور دہلی میں ملنے کے پتہ سے مطلع کیا، راقم اس پتہ پر حاضر ہوا، تو حضرت الاستاذ سے نیاز حاصل ہونے کے ساتھ یہ بھی انکشاف ہوا کہ یہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب کا دولت کدہ ہے، جن کی عظمت کا نقش دل پر پہلے ہی سے قائم تھا، بعد کے واقعات سے پتہ چلا کہ احقر کی موجودگی میں تو نہیں؛ لیکن حضرت الاستاذ نے مولانا موصوف سے راقم کا تعارف کرایا، اور خیال ہوتا ہے کہ اس حقیر سے جو حسن ظن تھا، اس کا بھی اظہار کیا، جس کا اندازہ بعد میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب کے اس برتاؤ سے ہوا جو موصوف نے احقر کے ساتھ روا رکھا، سب سے پہلے تو اس کا اظہار بایں طور ہوا کہ جب کچھ عرصہ بعد مولانا سے ملاقات ہوئی تو بزرگانہ شفقت سے بھری یہ شکایت کی کہ تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم فلاں.......... کے صاحبزادے ہو، ظاہر ہے کہ اس کا جواب بجز انفعال وشرمندگی کے کیا ہوسکتا تھا۔

مولانا کی عنایات اور توجہات کا سلسلہ اور مدرسہ فتحپوری میں تقرر

اس کے بعد تو مولانا کی عنایتوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس نے بزرگان پیشین کی یاد تازہ کردی، یہاں یہ عرض کردینا بے محل نہ ہوگا کہ راقم کی دہلی میں ابتداءً مشغولیت میں ایک بڑی مسجد کی خطابت وامامت اور اسی میں درس قرآن مجید وحدیث شریف (روزانہ دو درس) تک محدود تھی؛ لیکن موصوف سے حضرت الاستاذ نے نہ جانے احقر کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا، جس کی وجہ سے انہوں نے دہلی کے تمام بڑے عربی مدارس میں جن کے موصوف فعال رکن تھے، مجھے مدرس بنوانے کی سعی شروع فرمادی، اور یہ بھی فرمایا کہ ”میں خود بھی خیال رکھوں گا“ چنانچہ شاید کچھ مہینے ہی گذرے تھے کہ مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری میں جگہ خالی ہوگئی،

احقر نے تعمیل حکم کرتے ہوئے مولانا کو مطلع کیا، تو ایک درجہ مسرت آمیز حیرت (یا حیرت آمیز مسرت) سے دوچار ہوا، جب مولانا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''مجھے معلوم ہو گیا تھا اور میں نے پہلے ہی سلسلہ جنبانی کر دی تھی'' چنانچہ راقم کا مدرسہ عالیہ فتحپوری کے اندر تدریسی شعبہ میں تقرر ہو گیا (یہاں یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ اسی مدرسہ کے ایک مدرس صاحب نے ۔جو مولانا کے ہم نام ہیں۔ بھی سعی کی، فجزاہما اللہ خیر الجزاء) اس سے پھر آگے کی علمی وقلمی ترقیوں کی راہ کھلی، اس وقت دہلی میں یہی مدرسہ سب سے زیادہ اہم سمجھا جاتا تھا، یہاں کی بہتر تدریس کی شہرت بھی تھی (جس کا ثبوت دہلی کے چند اہم مدارس کے طلبہ کا سالانہ امتحان مشترک ہونے کے زمانے میں ملا، کہ مدرسہ فتح پوری کے طلبہ ممتاز رہتے تھے)۔

مولانا کی توجہ سے بعض علمی مضامین سپرد قلم

اس تقرر کے تھوڑے ہی عرصہ بعد راقم کا سب سے پہلا مضمون ''قوم یہود اور پچاس نمازیں'' حضرت مولانا ہی کی توجہ فرمائی سے ۔اور غالباً نظر ثانی واصلاح کے بعد ایک وقیع علمی رسالہ میں شائع ہوا، پھر تو گویا راقم کا قلم چل پڑا، مذکورہ مضمون کا محرک بھی تدریس ہی بنی، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے ہی سال راقم سے متعلق جن کتابوں کی تدریس کی گئی ان میں اصول فقہ کی مشہور کتاب ''نور الانوار'' بھی تھی (جو عموماً نئے مدرسوں کو نہیں دی جاتی، مگر راقم سے حسن ظن کی بنا پر متعلق کر دی گئی) اس میں ایک جگہ گذشتہ ادیان سماویہ کے احکام منسوخہ کی مثالیں دیتے ہوئے پچاس نمازوں کا بھی تذکرہ ہے یعنی یہ کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں دن رات میں فرض ہوئی تھیں، مگر حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے راقم کو یہ بات کھٹکی، کیونہ واقعہ معراج کی صحیح احادیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے تذکرہ میں یہ بھی ملتا ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر (پچاس کے بجائے) صرف پانچ نمازیں رہ گئیں، تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تھا، نیز مشورہ

دیتے ہوئے فرمایا تھا: یَامُحَمَّدُ وَاللّٰہِ لَقَدْ رَاوَدْتُّ بَنِی اِسْرَائِیْلَ قَوْمِیْ عَلٰی اَدْنٰی مِنْ ھٰذَا فَضَعُفُوْا وَتَرَکُوْہُ۔(۱)

اس واقعہ کی صحت کے ساتھ موجودگی ''یہود پر پچاس نمازوں کی فرضیت'' تسلیم کرنے سے مانع بنی ہوئی تھی، چنانچہ راقم نے متعلقہ کتب کی ورق گردانی اور گہرا مطالعہ کرنے کے بعد حاصل سعی و مطالعہ محولہ بالا مضمون میں پیش کر کے شائع کرادیا تھا، اس کے علاوہ اور بھی متعدد مضامین لکھنے اور شائع ہونے کی نوبت آئی، خاص طور پر ایک مفصل مضمون ''رویت ہلال'' پر ماہنامہ ''برہان'' جیسے علمی و قیع رسالہ کے اندر (جس کا شمار اس زمانے میں صف اول کے چند علمی رسالوں کے اندر ہوتا تھا) کئی قسطوں میں شائع ہوا، جو مستقبل کے لیے فال نیک ثابت ہوا، بعد میں (میرے لکھنؤ بلا لیئے جانے کے بعد) مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے وہ کتابی شکل میں ''رویت ہلال کا مسئلہ'' نام سے شائع ہوا، پھر مزید اضافوں کے ساتھ اس کے متعدد ایڈیشن حیدر آباد، کراچی وغیرہ سے شائع ہوئے، اس کتاب کا سہرا بھی حضرت مولانا محمد میاں کے سر باندھنا ہی مناسب ہے، کیونکہ ابتدائی تحریک ان ہی نے کی تھی، جس کی تقریب یہ ہوئی کہ اس زمانے میں ''ادارۃ المباحث الفقہیۃ'' قائم ہوا (جو نئے پیش آمدہ مسائل کی تحقیق اور ان کے شرعی حل پیش کرنے کے لیے ''جمعیۃ علماء ہند'' نے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کی سرپرستی میں قائم کیا تھا) اس کا محرک مذکورہ ادارہ (۲) سے راقم کی علمی

(۱) بخاری ۱۱۲۱ر کتاب التوحید۔

(۲) اس ادارہ کی طرف سے مولانا نے ایک طویل سوالنامہ ''رویت ہلال'' سے متعلق جاری کیا تھا، اور اسے ہندوستان بھر کے تمام قابل ذکر علماء کے پاس بھیج کر جوابات طلب کئے تھے، راقم کا یہ مضمون بھی دراصل اسی سوالنامہ کا جواب ہے، مولانا مرحوم رویت ہلال کے بارے میں (رمضان وعید کے موقع پر) ہندوستان میں جو کبھی کبھی انتشار پیدا ہو جاتا ہے، اس سے بڑے فکر مند رہتے تھے، اس کو دور کرنے کے لیے ہی یہ سوالنامہ جاری کیا اور متعدد بار اجتماعات کر کے فیصلے کئے، اور خود بھی اس موضوع پر ایک وقیع علمی رسالہ لکھا اور سب سے پہلے (غالباً ۱۹۵۱ء میں) مراد آباد کے اندر ایک عظیم الشان اجتماع بلا کر -جس میں حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور مفتی کفایت اللہؒ جیسے اکابر علماء شریک تھے- ریڈیو سے نشر ہونے والی ''رویت ہلال'' سے متعلق اطلاع کا حکم شرعی ظاہر کیا (تفصیل کے لیے راقم کی کتاب مذکورہ دیکھی جائے)

وابستگی ہوئی، یعنی اس وابستگی کی بھی وجہ سے یہ مضمون لکھا گیا، اس وابستگی میں بھی احقر کے ساتھ موصوف کا حسن ظن کارفرما تھا، راقم حیران ہے کہ موصوف کی کس کس کی عنایت کا تذکرہ کیا جائے، سب کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے، بس انہی چند مثالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

مولانا کی شفقتوں کی ایک اور وجہ

موصوف کی شفقتوں کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان دنوں صاحبزادے گرامی قدر ساجد میاں سلمہ مدرسہ فتحپوری کے طالب علم تھے (اس وقت تو صرف ساجد میاں کے نام سے جانے جاتے تھے) جو اپنے والد ماجد کی حسن تربیت اور اللہ کے فضل وکرم کی بنا پر زیور علم وعمل اور تقوی وسعادت مندی کی دولتوں سے آراستہ ہوئے، اب سعودی سفارت خانہ میں ایک اہم منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے بہت سوں کے لیے فائدہ رسانی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں (اعلی اللہ مراتبہ ورعاہ)

مولانا کی توجہ اور پدرانہ تربیت کا اعلی نمونہ

مولانا کی توجہ عام اور پدرانہ تربیت کا اعلی نمونہ موصوف کے بڑے صاحبزادے مولانا سید حامد میاں صاحب میں دیکھا جاسکتا تھا، جنھوں نے علمی، عملی، فکری، تدریسی واصلاحی میدانوں میں ترقی کے اعلی سے اعلی منازل طے کئے، وہ ملک کے صف اول کے علماء ومصلحین میں شمار کئے جانے کے لائق بنے۔

تقسیم ہند کے چند سال بعد وہ پاکستان کے مشہور علمی وتہذیبی شہر لاہور منتقل ہو گئے، جہاں موصوف نے اپنے استاذ وشیخ جن سے انہیں اجازت بھی حاصل تھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے نام پر ''جامعہ مدنیہ'' قائم کیا، جو ان کی انتھک محنتوں اور مخلصانہ جدوجہد کی وجہ سے پاکستان کے اعلی دینی مدرسوں میں گنا جانے لگا، مگر افسوس کے مولانا حامد میاں موصوف نسبتاً کم عمری ہی میں- اپنے والد کے انتقال سے تقریباً ۱۵ر سال بعد- سفر آخرت پر روانہ ہو گئے اور ایسا خلا چھوڑ گئے کہ جس کا جلد پورا ہونا دشوار ہے، مولانا مرحوم

جید حافظ قرآن اور مجود بھی تھے، راقم الحروف نے اپنی بہت کم عمری میں (غالباً وہ تقسیم ہند سے قریب کا زمانہ تھا) مراد آباد کی شاہی مسجد میں متعدد بار تراویح ان کے پیچھے پڑھی، تراویح میں ان کی قراءت کی لذت آج تک یاد ہے، اس وقت مولانا کا عنفوان شباب تھا، اور سبزہ آغاز۔

مولانا جامع شخصیت کے مالک تھے

غرضیکہ حضرت مولانا محمد میاں ایک جامع شخصیت کے مالک تھے، اسی وجہ سے وہ متعدد اداروں، انجمنوں اور تنظیموں کے رکن رکین تھے، مختلف مجالس میں بحثوں کے بعد تجویز مرتب کرنے کی ذمہ داری- مولانا کی بیدار مغزی اور سلیقہ مندی کی بناء پر- بالعموم انہیں کے سپرد کی جاتی تھی، جسے وہ بطریق احسن انجام دیتے تھے، کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے بعد فقیہانہ محتاط عبارت نگاری میں مولانا کا ہی درجہ تھا، سنا گیا کہ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے جو مولانا کے بھی شیخ تھے، موصوف کے اس وصف امتیازی کی بنا پر مزاحاً انہیں ''حیوان کاتب'' کا لقب دیا تھا، اس میں شک نہیں کہ مولانا قلم کے دھنی تھے، نہ جانے کتنے ہزار صفحات مولانا کے رشحات قلم سے مزین ہو کر شائع ہو چکے ہیں، متعدد مستقل کتابوں جن میں ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کی پانچ جلدیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اس کے علاوہ خدا جانے کتنے مضامین اور مقالے دینی، اصلاحی، سیاسی، علمی و تعلیمی، تنقیدی وغیرہ موضوعات پر مولانا نے لکھ کر ملک وملت کی خیرخواہی و رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

حضرت مولانا ممشاد علی قاسمی

بانی جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور مظفر نگر

مولانا کی جامع اور ہمہ جہت شخصیت

مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی کی اگرچہ زیارت سے میں شرفیاب نہ ہو سکا، لیکن

درحقیقت مولانا سے میری واقفیت بچپن کے ان دنوں سے ہے، جب مکتب میں پڑھنا شروع کیا، اوراستاذ نے اردو پڑھانے کے لیے دینی تعلیم کا رسالہ میرے ہاتھ میں دیا، ملت کی سیاسی واسلامی تاریخ پر گوان کی متعدد وقیع کتابیں موجود ہیں(اور میں نے ان کی تقریباً ساری کتابوں کا مطالعہ مختلف اوقات میں کیا ہے) لیکن ان کے دینی تعلیم کے رسالوں نے بچپن میں ہی دل پر ایسی چھاپ ڈالی کی میں ہمیشہ ان سے متأثر رہا، صرف اس لئے نہیں کہ یہ رسالے میری اردو تعلیم اردو تقریراور اردو زبان میں شدبد کا اولین اور عمدہ ذریعہ بنے ، بلکہ ان میں ایک داعی کی تڑپ، ایک مربی استاذ کا پرُ شفقت سادہ اور بے ساختہ انداز ،ایک ادیب کے شاداب قلم کی روانی اور ایک مقرر کی شیریں بیانی کے ساتھ اسلام کے تاریخی واقعات کا عمدہ انتخاب، دینیات اور ادبی ذوق کا بے تکلف امتزاج، بچوں کے دل ودماغ میں غیر شعوری طور پر حمیت اسلامی وغیرت ایمانی کا نشو ونما کرنے اور آہستہ آہستہ بہت سادگی ،شائستگی ، برجستگی کے ساتھ بالکل مثبت انداز میں پروان چڑھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، مجھے یہ لکھنے میں خوشی محسوس ہورہی ہے کہ میری اردو دانی کی بنیاد انہیں رسائل پر قائم ہوئی ،اور تقریر کی ابتداء بھی ''پہاڑی کا وعظ'' یا اسی طرح کے اسباق کو زبانی یاد کرکر کے سنانے سے ہوئی ،ان رسائل میں جگہ جگہ لکھنے والے کے دل دردمند کا عکس اور فکر ارجمند کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے، سنجیدہ موضوعات پر تصنیف وتالیف کا کام یکسوئی چاہتا ہے، لیکن مولانا محمد میاں صاحب کی ایک متحرک ، فعال، سیاسی زندگی ،سماجی خدمات ، اور جنگ آزادی میں سرگرم کردار ادا کرنے کے ساتھ ایک سے ایک ایسی متعدد ومتنوع کتابوں کی تصنیف نے ان کی شخصیت کو باکمال، متضاد صفات کا مجموعہ بنادیا تھا، جو کم ہی خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی ہیں۔

آپ کا محبوب موضوع تاریخ ہی تھا

یوں تو آپ نے تفسیر وحدیث سے لے کر فقہ وتاریخ کے مختلف میدانوں میں اپنے شاداب قلم کو بڑی فیاضی کے ساتھ استعمال کیا ہے، اور علم ودانش کے ہزار ہا موتی صفحات

قرطاس پر سجائے ہیں، لیکن مجموعی طور پر آپ کا محبوب موضوع تاریخ ہی تھا، خواہ وہ اسلامی تاریخ ہو، مسلمانوں کی تاریخ ہو یا ہندوستان کی جدید تاریخ، آپ کا یہ تاریخی ذوق اکثر تحریروں میں نمایاں ہے؛ لیکن ان کا یہ ذوق ایک خشک تاریخ نویسی نہیں بلکہ اس میں ایک جاذبیت اور علمیت کا احساس ہوتا ہے، جہاں ان کے قلم میں حمیت اور غیرت ملی کا عنصر نمایاں ہے، وہیں علماء ہند کا تاریخی ذکر کرتے ہوئے، وہ جذباتی نہیں ہوجاتے، اور کسی جگہ بھی تاریخ نویسی کے مسلمہ اصولوں کو نظرانداز نہیں فرماتے، بلکہ بلا رورعایت تمام تاریخی واقعاتی شہادتوں کا مکمل غیر جانبداری کے ساتھ ذکر فرماتے، اور جائزہ لیتے ہیں اور جہاں بھی انہیں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی تحریر میں سقم نظر آتا ہے، فوراً نشاندھی فرمادیتے ہیں۔

مولانا اپنے تحریری وتحریکی کارناموں کے سبب آج بھی زندہ ہیں

ان کی تحریر فرمودہ کتابوں کی تعداد ستر سے زیادہ ہے، جن میں سے بعض تو اب نایاب ہیں لیکن اپنے مطالعہ وتجربہ کی بنا پر تاریخ اسلام کے واقعات کے انتخاب اور اس سے مسلمانوں کی جدید نسل کی ذہن سازی کے لیے میں ان کے دینی تعلیم کے رسالوں کو ایک کامیاب بنیادی کوشش مانتا ہوں، جس سے یقیناً بڑا فائدہ ہوا، اور آئندہ بھی ان سے بڑا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب اپنے تحریری وتحریکی کارناموں کے سبب آج بھی زندہ ہیں، زندہ جاوید، میں نے جیسا کہ عرض کیا انہیں کبھی دیکھا نہیں، لیکن ان کا نام اور ان کے کارنامے اتنے تواتر کے ساتھ بچپن سے ہی سنتا رہا کہ ہمیشہ اپنے دل میں ان کی شخصیت کا خاص احترام اور جاذبیت محسوس کرتا ہوں، اور اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ خاصان خدا سے محبت انمول نعمت ہے، خدا کرے درد کی زنجیر کا یہ سلسلہ قائم رہے۔

عزیز گرامی جناب مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کی فرمائش کے مطابق اپنی سعادت سمجھتے

ہوئے، عجلت میں یہ سطور لکھ دیں، جو ایک معمولی طالب علم کا قوم وملت کے محسن کی خدمت میں ادنی خراج عقیدت ہے، عزیز موصوف اس سے قبل بھی بعض بزرگوں کی سوانح پر کام کر چکے ہیں، اور مختلف موضوعات پر کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔(۱)

اور ان کو یہ خوش نصیبی حاصل ہے کہ انہیں اس دوران حضرت العلام مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی حاصل رہی، حضرت اب تک ان کی سات کتابوں پر مقدمے تحریر فرما چکے ہیں، جو زمانہ طالب علمی میں کسی کے لیے بڑا اعزاز وامتیاز ہے، لیکن ان کی سب سے بڑی خوش نصیبی اور بناء کامیابی یہ ہے کہ حضرت سے تعلق، خدمت میں حاضری اور استفادہ کی سعادت ان کو حاصل ہے۔

اللہ کرے ذوق طلب اور زیادہ

(۱) مصنف کی تالیفات میں سے حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری (خلیفہ حضرت رائے پوری) کی سوانح ''حیات عبدالرشید'' اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے والد کی ''سیرت حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی'' اور ''حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی'' اور ''سید الطائفہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی'' ہیں، دوسرے موضوعات پر تجوید میں ''مختصر تجوید القرآن'' ''بچوں کی تمرین التجوید'' اور عربی میں ''ریاض البیان فی تجوید القرآن'' ہے، اور فقہ میں ''الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا'' اور ''التداخین بین الشرع والطب'' اور ''مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا'' ہے۔(یہ تو اس وقت کی فہرست ہے، اب تو ۳۰ر کے قریب کتابیں ہیں)

ساتواں باب

اوصاف وخصائل اور نظریات

اوصاف وخصائل اورنظریات

عادات واخلاق

آپ کے عادات واخلاق سے متعلق آپ کے صاحبزادے مولانا حامد میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''حسن اخلاق اور حقوق العباد پر خاص طور سے زور دیتے تھے، تمام ہی رشتہ داروں کے رہین منت رہے ہیں، وہ سب کے لئے باپ کی سی شفقت رکھتے تھے، اوران کی امداد کی وجہ سے خود ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

اس قدر مشغولیت کے باوجود ہر رشتہ دار کے یہاں کبھی نہ کبھی جاتے رہنے کا وقت نکالتے تھے، چاہے دس منٹ ہی بیٹھیں، میرے چچا سید احمد میاں عرصہ سے علیل تھے، والد صاحب صبح کو ٹہلنے کے بعد واپسی پر ان کے یہاں روزانہ تشریف لے جاتے تھے اور صرف پانچ منٹ بیٹھ کر تشریف لے آتے تھے، شاید ''اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ'' (۱) وغیرہ پر عمل فرماتے تھے، جو رفتہ رفتہ طبیعت بن گیا تھا، اور نہایت ہی عجیب بات یہ تھی کہ وہ صرف یہ خیال رکھتے تھے کہ دوسرے کا حق ان پر کیا ہے؟ اس لئے اس کی ادائیگی کے لئے کوشاں رہتے تھے اور ہمیشہ ممنون، اور یہ جانتے ہی نہ تھے کہ ان کا حق دوسرے پر کیا ہے؟ اور وہ ادا کرتا ہے یا نہیں؟''۔

ان کی شفقت کا عجیب واقعہ

مولانا کی شفقت کا ایک عجیب واقعہ آپ کے صاحبزادے نقل کرتے ہیں کہ ''ان کی شفقت بڑھتے بڑھتے شفقت عامہ کے درجہ میں داخل ہوگئی تھی، ایک روز شام کے وقت پکانے کے لئے سبزی لے آئے، حالانکہ ہمیشہ میرے بھائی سودا لاتے ہیں، والدہ نے دیکھا

(۱) بخاری شریف جلد اول، باب کیف کان بدء الوحی حدیث نمبر ۳

تو وہ تقریباً نصف خراب تھی، انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کیا لے آئے ہیں، آدھی تو خراب ہی ہے، فرمایا کہ اس سبزی والے کے پاس یہی رہ گئی تھی، اوراب اس سے کون خریدتا، اور صبح تک اس کی سبزی ساری ہی خراب ہوجاتی، اس لئے میں لے آیا''۔

اخلاقیات پر مستقل کتاب

مولانا حامد میاں لکھتے ہیں کہ''والد صاحب نے حدیث شریف کی کتاب لکھی ہے، جس کا نام''مشکوۃ الاثار'' ہے، وہ بھی اخلاقیات (۱) پر ہے، انہوں نے اس کا ایک نسخہ بھیجا کہ محمود میاں اور وحید میاں کو یہ پڑھائیں''اور تحریر فرمایا:''موطا امام محمد سے آغاز بہت بہتر ہے (میں نے مدرسہ میں شرح وقایہ کے ساتھ موطا امام محمد پڑھوانا شروع کی تھی، اس کی اطلاع دی تھی کہ یہ دونوں موطا پڑھ رہے ہیں) مگر مشکوۃ الآ ثار بھی ضرور پڑھوایئے، میرا خیال تو یہ ہے کہ اس کو حفظ کرایا جائے، فقہی مسائل کے متعلق احادیث پر تو بہت زور دیا جاتا ہے، اخلاقیات کے متعلق صرف مشکوۃ کا نصف آخر ہے، مگر عموماً نہیں پڑھایا جاتا ہے، اور پڑھایا جاتا ہے تو اس کو اہمیت نہیں دی جاتی ہے، مشکوۃ الآ ثار میں اسی کوتاہی کی تلافی کی کوشش کی گئی ہے کہ طالب علم ابتدا ہی میں اخلاقیات سے بھی واقف ہوجائے اور شفیق استاد ہو تو ان پر عمل کی تربیت بھی کرتا رہے، الحمدللہ ہندوستان میں اس کی مقبولیت بڑھ رہی ہے، پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا، اب عربی حروف کے ٹائپ سے طباعت کا انتظام ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالی مکمل فرمائے، کچھ پہلے میں لکھ چکا ہوں کہ یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب (۲) میں بھی داخل ہوگئی ہے''۔

---

(۱) اسی انداز پر ایک کتاب حدیث میں اس سے پہلے حضرت مولانا سید عبدالحئی صاحب والد ماجد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی''تہذیب الاخلاق'' کے نام سے لکھ چکے ہیں، جو ندوہ کی تمام شاخوں میں پڑھائی جاتی ہے، اور نصاب میں حدیث کی پہلی کتاب ہے، جس میں اخلاقیات کا ہونا نام سے ہی ظاہر ہے۔

(۲) یہ کتاب راقم سطور نے بھی مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں ۱۹۹۳ء میں پڑھی ہے، اور اس میں سے حدیثیں یاد بھی کرتا تھا، بہت سی حدیثیں اپنے رجسٹر میں بھی نقل کرتا تھا، جو اب بہت کام آ رہی ہیں۔

عبادت وریاضت

آپ کی عبادت وریاضت اور حفظ قرآن کے متعلق مولانا حامد میاں صاحب رقمطراز ہیں کہ ''جمعیۃ علماء کی نظامت کے فرائض کے دوران بھی کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ نماز باجماعت میں کوتاہی ہو، سوائے اس کے کہ حضرت مدنی قدس سرہ دفتر میں تشریف فرما ہوں اور وہ سجدہ میں نہ جاسکیں، تو دفتر ہی میں حضرت کے ساتھ جماعت میں شرکت فرماتے تھے۔

بعد مغرب نوافل میں قرآن پاک یادرکھنے کے لئے کافی دیر تلاوت فرماتے تھے، صبح کو نماز فجر کے بعد ٹہلنے جاتے تھے، اس وقت بھی تلاوت فرماتے تھے، واپس آکر نوافل اشراق پڑھا کرتے تھے، ۱۹۶۴ء میں مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ خداوند کریم نے حفظ قرآن پاک مکمل کرادیا ہے، گویا محققانہ معیار پر تصنیف وتالیف، درس وتدریس، اہتمام مدارس، اسفاراور مکاتبت وملاقاتوں وغیرہ کے جاری رکھتے ہوئے حفظ قرآن پاک کی تکمیل بھی فرمالی، یہ برکت اور توفیق ہی ہوسکتی ہے، وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل (رمضان مبارک ۱۳۹۵ھ سے قبل) والا نامہ صادر ہوا تھا، اس میں اپنی کمزوری کا حال تھوڑا سا تحریر فرمایا تھا، اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے شعر کا ناتمام حصہ ''اِنْ یشَأ یُبَارِكْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ'' بھی، میں نے اس پر تشویش کا اظہار کیا، تو تحریر فرمایا: ''مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان بے حقیقت ہے، چند اعضاء کے جوڑ کا نام انسان ہے، خالق انسان جب تک چاہے یہ جوڑ باقی رکھے، جب چاہے توڑ دے، وہ جبار ہضیم بھی ہے، لیکن وفات کی خبر کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ بقول ابونواس:

دَبَّ فِيَّ الْفِنَاءُ سِفْلاً وَعُلْـوًا ۞ وَاَرَانِیْ اَمُوْتُ عُضْوًا فَعُضْوًا

کی کیفیت محسوس فرمارہے تھے۔

آخر وقت تک عزیمت پر عمل پیرا رہنے کی کوشش

آخرت وقت تک عزیمت پر عمل پیرا رہے، اس سلسلہ میں مولانا حامد میاں صاحب لکھتے

ہیں کہ ”اللہ کی توفیق شامل حال تھی جس سے میرے علاوہ دہلی میں اپنے گھر کے اندر موجود رہنے والوں کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں، کیونکہ آخر وقت تک عزیمت پر عمل پیرا رہے۔

رمضان مبارک میں جو والا نامہ صادر ہوا، اس میں اس بات پر بہت اظہار قلق فرمایا تھا کہ میں کمزوری کے باعث مسجد تک بیس منٹ میں راستہ طے کر پاتا ہوں، اس بنا پر ظہر اور عشاء کے علاوہ جماعتوں میں شرکت نہیں کرسکتا، مکان سے مسجد کچھ فاصلہ پر ہے اور صحن مسجد سیڑھیاں چڑھ کر ہے، وہاں تک جانے کی پابندی کی کوشش فرماتے تھے۔(۱)

میرے نام کے ساتھ سید الملت نہ لکھا جائے

تبحر علمی اور شان جامعیت کے ساتھ اخلاق ومروت فیاضی وایثار، تقوی وطہارت میں آپ اپنی مثال آپ تھے، بہت ہی سادہ طبیعت، خوش طبع، ملنسار عالم باعمل اور منکسر المزاج تھے، اخلاص وجفاکشی شعار تھا، تواضع وانکسافری، عاجزی وفروتنی آپ کا نمایاں وصف تھا، آپ کی طبیعت میں خود بینی کی خاموش دلفریبی کا گذر بھی نہ تھا، ۱۹۴۹ء میں جب آپ الجمعیۃ کے نگراں تھے، اس وقت کارکنان سے فرمایا کہ میرے نام کے ساتھ ”سید الملت“ نہ لکھا جائے، صرف مولانا حسین احمد مدنی کے نام کے ساتھ ”شیخ الاسلام“ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے نام کے ساتھ ”مجاہد ملت“ لکھا جائے، اب تک الجمعیۃ کے آرڈر بک میں یہ آرڈر محفوظ ہے، نام ونمود سے اس قدر اجتناب تھا کہ آپ کی خواہش رہی کہ عام لوگوں سے الگ دفن بھی نہ کیا جائے، بلکہ گور غریباں میں دفنایا جائے، اس خواہش کا احترام بھی کیا گیا، کسی نے سچ کہا ؎

فروتنی امت دلیل رسیدگاں کمال
کہ چوں سوار بہ منزل رسید پیادہ شود (۲)

---

(۱) قلمی تحریر از مولانا سید حامد میاں صاحب۔ (۲) تاریخ شاہی نمبر صفحہ ۴۰۱۔

معمولات کے پابند

آپ کا اصلاحی تعلق قطب العالم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے تھا، مولانا نے تازیست اپنے شیخ (مرشد) کی ہدایات اور منشاء پر نہایت پابندی سے عمل کیا اور ان کے متعلقین و مشفقین اور اولاد کا مثالی ادب واحترام فرمایا، سحبان الہند مولانا احمد سعید کہا کرتے تھے، کہ وہ اپنے لیے راحت وآرام کو زیادہ پسند نہ فرماتے، جس گدے پر بیٹھ کر لکھتے، کتب بینی وتصنیف وتالیف کرتے، اکثر نیند کے غلبہ کے وقت اسی پر تھوڑی بہت دیر سو جاتے، پھر اٹھ کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے، آپ کی زندگی مجاہدانہ بھی تھی، اور طالب علمانہ بھی، لیکن یہ علمی انہاک اور دیگر گونا گوں مصروفیات آپ کے معمولات ووظائف وتہجد وغیرہ میں مانع اور رکاوٹ نہ بنیں، آپ بڑے استقلال کے ساتھ سفر وحضر ہر حال میں اپنے تمام معمولات کے سختی سے پابند تھے۔

بہت سے کمالات سے متصف

حضرت مرحوم کی ذات میں قدرت نے بہت سے کمالات ودیعت فرمائے تھے، آپ مجاہد، محدث، مفتی، مؤرخ، مفکر، صوفی جیسے اوصاف سے متصف ہونیکے ساتھ ساتھ زبردست صاحب قلم اور کثیر التصانیف مصنف بھی تھے، آپ کا رواں دواں قلم طبعی نشیب وفراز، صحت وعلالت، فرصت ومشغولیت اور سفر وحضر کسی حال میں نہ رکتا تھا، آپ کو قلم سے عاشقانہ تعلق اور والہانہ شغف تھا، حد یہ ہے کہ دوران تدریس بھی آپ لکھتے رہتے، کاغذ، قلم آپ کے ساتھ رہتا، ذہن میں کوئی خاص بات آئی سبق روک کر فوراً اس کو لکھ لیا، مولانا نسیم احمد غازی مظاہری تحریر فرماتے ہیں کہ ''ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ رکشہ، یکہ اور ریل گاڑی میں بھی ان کا قلم چلتا رہتا تھا، قلم ان کا تابع تھا، جب چاہتے وہ میدان تحریر میں بے جھجک دوڑنے لگتا تھا، اسی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ آپ کو ''حیوان کاتب'' فرمایا کرتے تھے''۔

تصنیفات وتالیفات کے علاوہ اور بہت سے اخبار ورسائل میں بالخصوص الجمعیۃ میں آپ کے بہت سے کارآمد، اہم اور مفید مضامین اور فتاوی شائع ہوتے رہے، آپ کے غیر مطبوع فتاوی کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، اس طرح آپ نے علمی مذہبی سیاسی اور تاریخی عظیم سرمایہ فرزندان توحید کے لئے بطور میراث چھوڑا، جو قیامت تک ”لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ“ کا مصداق ہوگا، انشاء اللہ۔

محبان وطن ومجاہدین آزادی کے تاریخی سلسلہ کی پہلی کتاب ”تحریک شیخ الہند“ کو صدر جمہوریہ نے ۵؍جولائی ۱۹۷۵ء کو راشٹر پتی بھون میں ریلیز کیا، اس کے بعد اس سلسلہ کی دوسری کتاب ”اسیران مالٹا“ چھپی، تیسری کتاب کا مسودہ آپ تیار کر رہے تھے، دوران علالت بھی اسی کتاب کی ترتیب وتکمیل میں مشغول رہے کہ اللہ تعالی کا پیغام آپہنچا اور آپنے اس جہاں ناپائیدار کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ دیا۔(۱)

مولانا اپنے معاصرین میں کئی باتوں میں ممتاز

مولانا محمد میاں کی خصوصیات، ان کے اوصاف وخصائل، ان کی نمایاں خدمات، ان کے مختلف الجہات علمی ودینی کارنامے، ان کی تصنیفات ان کو بعض اپنے معاصرین میں کئی باتوں میں ممتاز کرتی ہیں، آپ کے شاگرد رشید مؤرخ اسلام مصنف کبیر حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری تحریر فرماتے ہیں کہ ”مولانا اپنے معاصرین میں کئی باتوں میں ممتاز تھے، زہد وتقوی، استغناء وبے نیازی، عزت نفس وخودداری کے ساتھ پوری زندگی تدریس وتعلیم، تصنیف وتالیف، علمی ودینی خدمات اور ملی وقومی کاموں میں بسر کی، مولانا مرحوم محدث، فقیہ، مفتی اور مصنف سب کچھ تھے، ان کے مختلف الجہات، علمی ودینی کارنامے خصوصاً تصنیفی وتالیفی خدمات ایک اکیڈمی کی کارکردگی کے برابر ہیں۔(۲)

(۱) مرأۃ الاثار شرح مشکوۃ الآثار صفحہ ۱۴۔

(۲) تاریخ شاہی صفحہ ۴۴۶۔

بزرگانِ سلف کا نمونہ

سیاسی ہنگاموں میں شرکت کے باوجود اپنی سادگی، خلوت نشینی اور اوراد و وظائف کی پابندی اور علم میں کامل دستگاہ کے ساتھ تواضع وانکساری، زہد وقناعت، ریاضت وعبات اور اصلاح وتقوی میں بزرگان سلف کا نمونہ تھے۔(۱)

علم وعمل میں دستگاہ

آپ کی علم وعمل میں دستگاہ اور صلاح وتقوی کے سلسلہ میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ ''آپ دارالعلوم دیوبند کے ہونہار فاضل اور حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے تلامذہ میں سے ہیں، بچوں کی اسلامی تعلیم سے بہت زیادہ شغف ہے، چنانچہ دینی تعلیم کے متعدد رسائل تصنیف فرمائے، جو بہت زیادہ مقبول ہوئے، تعلیم کے ہر شعبہ میں اور ہر مضمون میں اسلامی رنگ دیکھنے کی تڑپ ہے، اور اس تڑپ کا مظاہرہ تصنیف کردہ کتابوں اور چارٹوں سے ہوتا ہے، دارالعلوم کی مجلس شوری کے کارگزار محبّ ہیں، مجموعی حیثیت سے علم وعمل میں دستگاہ اور صلاح وتقوی حاصل ہے''۔(۲)

آپ کی ہمہ صفت زندگی

مولانا اسیر ادروی راقم سطور کے نام ایک مکتوب میں اپنے استاد گرامی مولانا محمد میاں صاحب کی عظیم زندگی کے عظیم کارناموں اور آپ کی ہمہ صفت زندگی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''مولانا مرحوم ایک خاص طرز تحریر کے مالک، بہت سی اہم ترین کتابوں کے مصنف، ایک معیاری رسالہ ''قائد'' کے مدیر رہے، جمعیۃ علماء ہند کے اہم عہدوں پر فائز رہے، کئی مضامین اور شاندار ماضی کے حصہ چہارم پر ان کے خلاف مقدمات چلے، سزائیں ہوئی، موصوف بیک وقت، مصنف، مدیر، سیاسی رہنما، اسلامی تعلیم کے ماہر اور استاذ حدیث تھے

(۱) مشاہیر علماء ج اول صفحہ ۶۳-۵۶۲، قاری فیوض الرحمٰن۔

(۲) دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی صفحہ ۸۱/ قاری محمد طیب صاحبؒ۔

......مولانا مرحوم کی زندگی عظیم کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔(۱)

مولانا کو انگریزی حکومت سے خدائی بیر

مولانا اسیر ادروی لکھتے ہیں کہ ان کا ایک مختصر سا مضمون ''اسلام کو کس کی چھری نے ذبح کیا؟'' اتنا مقبول ہوا کہ ہم جیسے طلباء نے اس کو زبانی یاد کرلیا؛ لیکن یہی شاہکار ان کو جیل خانے تک لے گیا، چونکہ جمعیۃ علماء ہند کے ایک اہم رکن تھے، اس لیے انگریزی حکومت سے خدائی بیر رکھتے تھے، انگریزی حکومت کا تذکرہ ہوتے ہی ان کا چہرہ سرخ ہوجاتا تھا، ایسے موقعوں پر ان کی تحریروں میں ایک جوش سا ابلتا ہوا محسوس ہوتا ہے، اس سے پہلے آپ کی متعدد کتابیں ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' طبع ہوکر منظر عام پر آچکی تھی، جو کئی حصوں میں شائع ہوئی، تین حصوں تک سی آئی ڈی کے دفتروں میں پڑھ کر ڈیسک میں ڈال دی جاتی تھی؛ لیکن جب چوتھی جلد شائع ہوئی جو ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتی ہے، تو حضرت استاذ کا قلم شعلہ بار ہوگیا اور آگ اگلنے لگا، نوک قلم سے الفاظ نہیں چنگاریاں نکلتی تھیں، یہ چنگاریاں اڑکر انگریزی حکومت کے خلعت فاخرہ تک پہنچ گئیں اور اس کو داغ داغ کردیا، جب ''شاندار ماضی'' کا یہ چوتھا حصہ سی آئی ڈی آفس میں پڑھا گیا تو تاب ضبط نہ رہی، فوراً جاہ وجلال کا پارہ اوپر چڑھ گیا، نادر شاہ نے اپنی جابر وقاہر فوج کو الرٹ رہنے کا حکم بھیجدیا اور اس نے آگے بڑھ کر حضرت استاذ کو زنداں حوادث کے حوالہ کردیا۔(۲)

انگریزی اقتدار کو ختم کرنا سب سے بڑا فریضہ ہے

آپ کے شاگرد مولانا اسیر ادروی ترمذی کے سبق کا ایک واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں ''شعبان آگیا تھا، بخاری شریف ختم ہورہی تھی، سالانہ امتحان کی باتیں شروع ہوگئیں تھی، کہ

---

(۱) مکتوب گرامی بنام مصنف ۱۸/۷/۱۹۹۸ء۔

(۲) تاریخ شاہی نمبر صفحہ ۴۶۵۔

۹/اگست ۱۹۴۲ء کی تاریخ آ گئی۔

۹/اگست کی صبح شور ومحشر بن کر مدرسہ شاہی میں آئی، طلبہ اپنی اپنی قیام گاہوں سے جوں ہی گیٹ سے داخل ہوکر ترمذی شریف کے درس کے لیے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نوراللہ مرقدہ کی درس گاہ میں پہنچے جو شمالی جانب تھی، تو حضرت استاذ پہلے سے موجود تھے، چہرے پر گہرے تفکرات کا سایہ تھا، آنکھیں بتارہی تھیں، رات کو سکون سے سونہیں سکی ہیں، حرکات وسکنات سے کچھ ایسا محسوس ہورہا تھا کہ آپ بڑی عجلت میں اور بہت اہم اورضروری امور پیش نظر ہیں، اوروقت بہت ہی کم ہے، اس لیے وہ جلد از جلد اس بات کو بتادینا چاہتے تھے، جسے بتانے کے لیے وہ کانٹوں پر چل کر آئے تھے، کیونکہ شہر میں پولیس کو چوکنا کردیا گیا تھا، کسی بھی لمحہ انگریزی پولیس گرفتار کرسکتی تھی، آپ نے فرمایا ''میں آپ لوگوں سے ایک غیر معینہ مدت تک کے لیے رخصت ہورہا ہوں، اگر زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی، آپ حضرات کے کندھوں پر قوم وملک اور ملت کی بڑی ذمہ داریاں آرہی ہیں، ان سے عہدہ برآ ہونے کی جدجہد میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے، انگریزی اقتدار کو ہندوستان سے ختم کرنا ہمارے فرائض میں سب سے بڑا فریضہ ہے، اچھا خدا حافظ، اور پھر حضرت استاذ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، تو برسوں کے بعد ہی آپ کی خیرت کی خبر مل سکی۔(۱)

عورتوں کے مسائل میں آپ کا تعاون

مولانا محمد میاں صاحب کو عورتوں کے مسائل کے سلسلہ میں بھی دلچسپی تھی اوران کی تکلیف اوران کی پریشانی کو وہ بہت ہی سنجیدگی سے لیتے تھے اور یہ پریشانی ان کی اپنی پریشانی بن جاتی تھی، اس لئے انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ساتھ مل کر عورتوں کی بازیابی کے مسائل حل کرنے میں محنت کی، اور مسز سبھدرا جوشی اوران کے ساتھیوں کیساتھ مل کر سر ہتھیلی پر رکھ کر عورتوں کے سلسلہ

(۱) تاریخ شاہی نمبر ۴۶۸۔ (۲) جمعیۃ علماء نمبر ۴۷۹۔

میں عجیب کارنامے انجام دیئے، ان کی بے لوث خدمات سے اس زمانے میں ہزاروں عورتیں اپنے گھروں پر واپس آسکیں، آپ نے کٹسوڈین کے خلاف وکلاء کی کمیٹیوں کی تشکیل میں تعاون کیا(۲)،اس طرح عورتوں کے مسائل میں بھی ان کا تعاون رہا۔

مجاہدین آزادی کو سرکاری اعزازات ومناصب اورآپ کا کردار وعمل

مولانا خود تحریر فرماتے ہیں کہ ''سرکاری طرف سے وظائف کا سلسلہ بہت چلا، ہزاروں کے وظائف مقرر ہوئے، مگر اول تو احقر کے نزدیک ان کا عنوان توہین آمیز تھا، یعنی پولٹیکل سفررز(Polotical Sufferers) دوسرا خیال یہ تھا اور یہ ہے کہ یہ مناصب اور اعزازات اگر اعتراف خدمات کے طور پر ہیں تو حکومت اور کانگریس کو خود پیش کرنے چاہئیں، احقر کے نزدیک یہ درخواست نہایت غلط اور لایعنی ہے، کہ محمد میاں جیل گیا تھا، لہٰذا فلاں وظیفہ یا منصب یا ایوارڈ یا فلان اعزاز عطا کرو۔

''تانبر پتر''(۱) احقر نے ضرور حاصل کرلیا، مگر صرف اس لیے کہ مسلمانوں کے شمار میں اضافہ ہو، جہاں تک احقر کا خیال ہے کہ اس شمار کو ختم کرنے کی یا کم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور یہ بظاہر صحیح ہے، کیونکہ جہاں تک احقر کا تعلق ہے، وہ محمد میاں جو پنتھ جی کا منظور نظر تھا، اب اس کو پوچھتا بھی نہیں کہ بھیا کیستی؟''۔(۲)

سادگی وذوق گمنامی

مولانا مرحوم متبحر عالم دین، بلند پایہ محدث ومفتی، بلند حوصلہ مجاہد وزندہ دل، بذلہ سنج وخوش

(۱) تانبر پتر، تانبے کی ایک پلیٹ جو وزیر اعظم اندرا گاندھی کی طرف سے ان کے دستخطوں کے ساتھ مجاہدین آزادی کی خدمات کے اعتراف کے طور پر دی گئی تھی، یہ پلیٹ ایک تمغے پر جڑی ہوئی ہے، اور میز پر رکھی جاسکتی ہے، اس پر ہندی میں ایک عبارت کھدی ہوئی ہے۔(ساجد میاں)

(۲) تحریر مولانا محمد میاں بقلم ساجد میاں تحریر اگست ۱۹۷۵ء۔

مزاج اور ملنسار ہونے کے باوجود صوفی منش، خلوت پسند، منکسر المزاج اورنہایت متواضع بزرگ تھے، اس ظاہری و باطنی گوناگوں کمالات کی حامل شخصیت کوخودنمائی وشہرت سے سخت نفرت اور گمنامی ویکسوئی سے بے حد رغبت تھی، چنانچہ آزادی کے بعد ۱۹۵۲ءاور ۱۹۵۷ء میں آپ کولوک سبھا کے ٹکٹ پیش کیے گئے، توان کوقبول کرنے سے انکار کردیا۔

”اَللّٰھُمَّ احْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا ہے، جس میں آپ نے زندگی وموت اور حشر کی تمنا مساکین کے ساتھ کی ہے، مولانا کا اس پرتادم آخرعمل رہا ہے، مرض الوفات میں جب کہ آپ کوعلاج کے لیے اروِن ہسپتال میں داخل کیا گیا تو آپ نے خصوصی سیٹ کے بجائے جنرل وارڈ میں رہنا پسند کیا۔

مسلمانوں کو یہاں رہنے کا حق نہیں
اس نظریہ کے مقابلہ میں آپ کی حسن تدبیر

مولانا کوایک قوم کےاس نظریہ کی بہت فکرتھی کہ مسلمانوں کو یہاں رہنے کاحق نہیں، اس سلسلہ میں آپ نے کیا تدبیر اختیار کی، خودفرماتے ہیں کہ ”آزاد ہندوستان میں انتخابات کا دور آیا، احقر کا حلقہ عمل مرادآباد اور ضلع مرادآباد تھا، مگر تقسیم ہند نے جو ایک بہت بڑی جماعت یا قوم کا یہ نظریہ بنادیا تھا، کہ مسلمانوں کو یہاں رہنے کاحق نہیں ہے، ان کوختم کردینا چاہئے، احقر سمجھتا تھا کہ حسن تدبیر سے اس کا مقابلہ کرنا فرض ہے، دینی مکاتب اور نہ صرف محفوظ علاقوں میں بلکہ مشرقی پنجاب اور ہماچل وغیرہ میں دینی تعلیم کے مرکز قائم کیے، جہاں تباہ شدہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً ایک فی ہزار تھی، اس کے علاوہ دینی تعلیم کا نصاب مرتب کیا، اور الحمدللہ! احقر نے انتخابات میں حصہ لینے کے بجائے اس طرح مقابلہ کرنے کوترجیح دی“۔

انتخابات میں حصہ لینے کو احقر ناجائز نہیں سمجھتا تھا

انتخابات کے سلسلہ میں مولانا کا کیا نظریہ تھا، اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ’’حافظ محمد ابراہیم مرحوم نے مراد آباد کا حلقہ احقر کے لیے تجویز فرمایا، احقر نے معذرت کردی، ۱۹۵۲ء کے انتخابات کے وقت یہی ہوا، ۱۹۵۷ء کے انتخابات کے وقت حافظ صاحب مرحوم نے تحریر فرمایا کہ پنتھ جی نے آپ کا نام مراد آباد کی سیٹ کے لیے طے کردیا ہے، احقر نے معذرت کردی، کہ احقر دوسرا راستہ طے کرچکا ہے، اس پیشکش کے قبول کرنے سے معذور ہے۔

پارلیمنٹ اور اسمبلی کے ممبر بننے اور انتخابات میں حصہ لینے کو احقر ناجائز نہیں سمجھتا تھا، بلکہ انتخابات میں حصہ لینا احقر کا محبوب مشغلہ تھا، اور الیکشن لڑانے کا خاص شوق تھا، اور بار بار لڑانے کے باعث مہارت بھی ہوگئی تھی، مگر اپنے لیے نہ امیدوار بننا پسند کیا، نہ الیکشن لڑنا‘‘۔

مسلمان ممبر کا فرض بیباکی اور جرأت کے ساتھ کلمہ حق کہنا ہے

مسلمان ممبر کا کیا فرض ہونا چاہئے اس کے لئے مولانا کی کیا سوچ تھی، وہ فرماتے ہیں کہ ’’مسلمان ممبر کا فرض احقر کے نزدیک یہ تھا کہ کلمہ حق ، بے باکی اور جرأت کے ساتھ ادا کرسکے، اور جو کسی سے مرعوب ومتأثر نہ ہو، بلکہ دوسروں کو متأثر کرسکے، احقر محسوس کرتا تھا کہ ان خصوصیات میں محمد میاں کمزور ہے، البتہ مجاہد ملت کو اللہ تعالی نے پوری مہارت عطا فرمائی ہے، اس بنا پر مجاہد ملت کے لیے احقر ممبری کو فرض سمجھتا اور اپنے لیے ناجائز‘‘۔

محمد میاں مراد آباد کے بے تاج بادشاہ

آپ کے حسن انتظام اور عوام میں آپ کی مضبوط پکڑ کی بنا پر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی آپ کو کن عظیم الفاظ سے یاد کرتے تھے؟ اس سلسلہ میں مولانا محمد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ ’’جن حلقوں سے مجاہد ملت ممبر بنے، وہ احقر سے وابستہ تھے، مجاہد ملت فرمایا کرتے تھے،

محمد میاں مرادآباد کے بے تاج بادشاہ ہیں، الحمدللہ احقر نے ان حلقوں کے لیے اپنے بجائے مجاہد ملت کو ترجیح دی، اور مجاہد ملت کے الیکشن کا انچارج بن کر الیکشن لڑایا، اور الحمدللہ ہر مرتبہ غیر معمولی کامیابی حاصل کی، جب کہ مصارف بدرجہ صفر ہوئے، اس طرح مجاہد ملت کی رفاقت رہی، پھر حضرت مجاہد ملت کی وفات ہوگئی اور:

آن قدح بشکست وآں ساقی نماند

قدرت کا خاص عطیہ رجال الغیب

آپ کے کارناموں، خصوصیات اور آپ کی پاکیزہ زندگی کو دیکھتے ہوئے مولانا اخلاق حسین قاسمی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (م۱۹۶۲ء) اور آپ کے متعلق رقمطراز ہیں: ''یہ دونوں ہستیاں مسلمانان ہند کے لیے قدرت کا خاص عطیہ تھیں، صوفیا کی اصطلاح میں ایسی ہستیوں کو رجال الغیب اور مردان غیب کہا جاتا ہے۔(۱)

مولانا کے اخلاق و جفاکشی

مولانا اخلاق حسین قاسمی سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند کا بیان ہے ''ہم خدام نے مولانا مرحوم کے اخلاق اور جفاکشی، اور دن کو زبان وقلم کی سرگرمی اور رات کو عبادت گزاری کے وہ منظر دیکھے ہیں، جن کی داستانیں اسلاف کے تذکروں میں پڑھی تھیں، مولانا احمد سعید صاحب مولانا مرحوم کو جمعیۃ علماء کا ''ذوالنون مصری'' کہا کرتے تھے''۔(۲)

مولانا کی استقامت اور محدثات سے احتیاط

مولانا حامد میاں صاحب مولانا محمد میاں صاحب کی استقامت اور محدثات سے احتیاط کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ (میرے بیٹے) ''رشید میاں سلمہ نے ان کی خدمت میں

(۱) شاہ ولی اللہ اوران کا نسبی خاندن صفحہ ۵۱ رتاریخ شاہی صفحہ ۳۸۳۔

(۲) شاہ ولی اللہ اوران کا نسبی وفکری خاندان صفحہ ۵۰۔

آٹوگراف کے لئے کچھ کارڈ بھیج دیئے، اس پر انہوں نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا کہ جس سے ان کی استقامت کا اندازہ ہوتا ہے، اس حالت ضعف میں آخری وقت تک کس درجہ دین پر استقامت اور جذبہ تبلیغ واصلاح غالب تھا۔

آٹوگراف وغیرہ محدثات میں سے ہیں ”ایاکم والمحدثات“ اپنے بزرگوں کے طریقے معلوم کرو ”عضوا علیھا بالنواجذ“ یہ تقشّف وتصلب نہیں؛ بلکہ دین متین کو اصل خدوخال میں باقی رکھنے کی صورت یہی ہے، اللہ تعالیٰ اتباع سلف کی توفیق بخشے، یہی سعادت عظمٰی ہے اور عالم دین کے لئے یہی حقیقی ترقی“۔

ہمیں یہ والا نامہ ان کی وفات کے دو دن بعد جمعہ کے دن نماز کے بعد موصول ہوا، جو ہم سب کے لیے وصیت کا درجہ رکھتا ہے، اور وصیت مسنونہ کے انتہائی قریب ہے۔

یہ مکتوب انہوں نے ہمشیرہ سے تحریر کرایا ہے، کمزوری کی وجہ سے خود نہیں تحریر فرما سکے، مگر یہ سطور خط کے آخر میں خود اپنے قلم سے تحریر فرمائیں ہیں، اگر علماء امت میں ایسے لوگ جو صرف دین اسلام پر ہی عمل پیرا رہیں نہ ہوتے تو اسلام کا عملی نمونہ دنیا سے اٹھ گیا ہوتا، یہ اسلام کا معجزہ ہے اور خدا کا وعدہ ہے، اور ایسے حضرات اس معجزہ کا نمونہ، مصداق اور مظہر ہوتے چلے آئے ہیں۔(۱)

آپ کا حلیہ مبارک

آپ کے شاگرد رشید اور مشہور مضمون نگار جناب مولانا نظام الدین صاحب اسیر ادروی مدیر ”ترجمان الاسلام“ بنارس، اپنی پہلی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ ”جب میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد شوال میں حاضر ہوا، اس وقت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ مراد آباد کی جیل میں تھے، بچھرایوں میں کی گئی ایک تقریر کی بنیاد پر مراد آباد کی عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا، کانگریس ہائی کمان کے ایک معزز رکن مشہور قانون داں مسٹر آصف علی بیرسٹر بحث کیلئے بلائے گئے تھے،

(۱) مولانا حامد میاں قلمی تحریر۔

حضرت شیخ الاسلام نے عدالت میں جو بیان دیا، اس کو مرتب کرنے والے شاہی کے ایک معزز استاد تھے، جن سے میں ناواقف اور نا آشنا تھا، لمبا قد، گورا چٹا رنگ، چہرے پر کچھ اس طرح کی سرخی جیسے بھٹی میں سرخ انگارہ بنا ہوا لوہا، آنکھوں پر زیادہ پاور کا چشمہ، بڑی مگر چھدری ڈاڑھی، اونچی دیوار کی ٹوپی، دبلا پتلا جسم، چہرے پر ایک خاص طرح کا جلال، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ چہرہ مسکراہٹ سے ہمیشہ نا آشنا رہتا ہے، پہلی ہی نگاہ میں مرعوبیت کا احساس ہوتا تھا، یہ تھے مشہور اہل قلم، صاحب طرز ادیب، درجنوں کتابوں کے مصنف حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی جو بعد میں ترمذی شریف کے ہمارے استاد ہوئے۔

یہ پہلی ملاقات کا تأثر تھا، لیکن ان کی شفقت وعنایت حاصل ہوئی، تو دل ناعاقبت اندیش پر شرمندہ ہوا، اب اسی دل سے کہا کہ جسم ضرور فولاد کا ہوسکتا ہے، لیکن سینہ میں جو دل ہے وہ یقیناً موم کا بنا ہوا ہے، حضرت شیخ الاسلام کو عدالت میں جو بیان دینا تھا، اس کو مرتب کرنے کی ذمہ داری استاد محترم ہی کو دی گئی تھی۔(۱)

حضرت شیخ الاسلام کی ذات سے والہانہ شیفتگی وعقیدت

مولانا اسیر ادروی لکھتے ہیں کہ ”آپ کو حضرت شیخ الاسلام کی ذات سے والہانہ شیفتگی وعقیدت ہی نہیں تھی بلکہ ان سے تعلق ومحبت کے سلسلہ میں وہ جنوں تک پہنچے ہوئے تھے، اس لئے وہ حضرت شیخ الاسلام کے صحیح مزاج داں بھی تھے، دونوں شخصیتوں میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ حضرت شیخ الاسلام کی زبان میں انگریزی حکومت کے خلاف تقریر کرتے ہوئے تلوار کی کاٹ تھی، تو استاد محترم کے قلم کی نوک برطانوی اقتدار کے خلاف لکھتے ہوئے زہر میں ڈوب جاتی تھی، اس لئے جو بیان انہوں نے مرتب کر دیا، حضرت شیخ الاسلام نے وہی عدالت میں پڑھا اور داخل بھی کیا۔(۲)

---

(۱) تاریخ شاہی نمبر صفحہ ۴۵۸۔ (۲) تاریخ شاہی نمبر ۴۵۸۔

آٹھواں باب

آپ کی شگفتہ تحریر و تقریر کے نمونے

آپ کی شگفتہ تحریر و تقریر کے نمونے

تمہید

مولانا سید محمد میاں صاحب صرف کثیر التصانیف اور کثیر التحریر ہی نہیں تھے بلکہ ان کی تحریر کے اندر سلاست، جاذبیت اور ادبیت بھی پائی جاتی ہے، مولانا کی یہ صفت ان کی برجستہ تحریروں اور تقریروں میں خوب جھلکتی ہے، اس پہلو کی طرف بہت کم لوگوں کا دھیان گیا ہے، حالانکہ اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ بعض شعبوں میں کسی کام کی کثرت اس میں حسن اور مہارت پیدا کر دیتی ہے، اور مہارت کا مطلب یہ ہے کہ وجود میں آنے والی شئی جلدی اور موزوں تیار ہو جائے، اور ظاہر ہے کسی چیز کی موزونیت ہی اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہے، اور جس صنف میں بھی حسن ہوگا، وہ اپنی معنوی وسعت و لطافت کی بنا پر اس کی ادبیت پر دال ہوگی، مولانا کی تحریر و تقریر اس حسن و ادب کی شاہکار ہیں، مولانا چونکہ صحافی بھی تھے، مصنف بھی، قلم کار بھی تھے اور مقرر بھی، اسی لئے یہاں ہم مولانا کی ایک اجلاس کی رپورٹ، بعض لطیفے، ایک کتاب کے چند اقتباسات، ایک مضمون اور طلبہ دارالعلوم دیوبند سے ایک خطاب نقل کر رہے ہیں، جس سے مولانا کی شگفتہ اور ادبی تقریر و تحریر کا انداز بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

جمعیۃ کے ایک جلسے کی رپورٹ

۲۰/۲۱/۲۲/رجب ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۷/۲۸/۲۹/اپریل ۱۹۵۱ء حیدرآباد دکن میں جمعیۃ علماء ہند کا ۱۷/واں اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے فرمائی، اس کی رپورٹ مرتب کرتے ہوئے مولانا سید محمد میاں نے فرمایا کہ:

''جمعیۃ علماء کا اجلاس حیدرآباد جس دور میں ہوا، اگر چہ سیاسی اعتبار سے وہ پہلے دور سے بہت مختلف ہے، لیکن یہ حقیقت یقیناً قابل تعجب ہے کہ ہندو مسلم روابط کے لحاظ سے وہ اجلاس کوکناڈا سے بہت مشابہ ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت فرقہ واریت کے دونوں بازو مضبوط تھے، اور آج ایک بازو مفلوج ہو چکا ہے اور دوسرا ضرورت سے زیادہ مضبوط، جمعیۃ علماء ہند نے جو کام ۱۹۲۳ء کے اجلاس عام میں کیا تھا، وہی کام اس کو آج بھی کرنا پڑا، ایک طرف اس نے مسلمانوں کے اس دماغی انتشار، خوف وہراس اور یاس وقنوط کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی، جو پولیس ایکشن کے نتیجہ میں اب تک مسلمانوں پر چھایا ہوا تھا، اور دوسری جانب اس نے حکومت اور ملک کی اکثریت کو متنبہ کیا کہ ملکی مصلحتوں کا تقاضہ کیا ہے؟ اور وطن عزیز کی ترقی کے کیا راستے ہیں؟ اس نے اہل وطن اور ارباب حکومت کو آگاہ کیا کہ انڈین یونین جیسا طویل وعریض ملک اس صورت میں کسی طرح ترقی نہیں کرسکتا کہ اس کے کروڑوں باشندے یاس وہراس اور دماغی مرعوبیت میں مبتلا ہوں، اجلاس کوکناڈا نے اس زنگ کو دور کیا تھا، جو مہاتما گاندھی، علی برادران، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور دیگر رہنمایان وطن کی گرفتاری کے بعد تحریک کی تیز دھار پر لگ گیا تھا اور تحریک کی رفتار کو تیز کر کے ملک کو آزادی اور ترقی کے راستے پر لگایا تھا، اجلاس حیدرآباد کی کوشش یہ ہے کہ فرقہ واریت اور اکثریت کی بے جا چیرہ دستی کا جو مرض وطن میں پیدا ہو گیا ہے، جو دراصل ملک اور وطن عزیز کی آزادی اور ترقی کے لیے گھن ہے، اس کو دور کر کے ملک کو ترقی اور برتری کے راستے پر لگائے اور اتحاد و اتفاق کا تازہ خون پیدا کر کے نوجوانان ہند یونین کو زیادہ سے زیادہ قوی اور مضبوط کرے، چنانچہ ملک کے ہر ایک حلقے میں اجلاس کی اہمیت کو محسوس کیا گیا، بالخصوص حیدرآباد کے وہ نیم جاں مسلماں جو سیاسیات اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور پولیٹیکل (Polotical) قلابازیوں سے ہمیشہ ناآشنا رہے تھے، جو ایک ریاست کے ماتحت ہونے کے باعث نہ صرف یہ کہ باقی ملک سے منقطع اور الگ تھلگ رہے تھے، بلکہ اپنے حقوق کا استعمال اور حفاظت کے راستوں سے

ناواقف تھے، جن کا سب سے بڑا وسیلہ اسٹیٹ تھا، اور اسٹیٹ کے الحاق کو وہ اپنا خاتم تصور کررہے تھے، انہوں نے اس اجلاس کو حیات نو کا پیغام اور اپنی شکایتوں کے لیے تریاق تصور کیا''۔

اس موقع پر کیئے گئے انتظامات کی تفاصیل کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

''نمائش گاہ کے مشہور میدان میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام کا پنڈال بنایا گیا تھا، تقریباً دوفرلانگ لانبے اور ایک فرلانگ چوڑے رقبے کو پنڈال کے لیے گھیرا گیا تھا، پنڈال کے جنوبی حصہ میں اسٹیج کے چار درجے تھے، سب سے بلند درجے پر جناب صدر کا سریر صدارت تھا، اس کے گرد اراکین مرکزیہ اور مجلس استقبالیہ کے عہدہ داراوں کے لیے پانچ سو نشستیں تھیں، عقب کی جانب تقریباً دس گز کے فاصلے پر قناتوں کے پیچھے خواتین کے لیے پنڈال بنایا گیا تھا، جس کا راستہ دوسری جانب سے تھا، اور اس کا پورا انتظام رضا کار خواتین کے سپرد تھا، دوسرے درجہ میں جو پہلے درجہ سے تقریباً ۳ رفٹ نیچے تھا، ایک طرف پریس گیلری تھی، جس میں پچاس ساٹھ نمائندگان پریس ہر وقت تشریف فرما رہتے تھے، دوسری جانب ہندو مسلم مدعوئیں اعزازی کی نشست گاہ تھیں، جو ابتدا سے انتہا تک حیدرآباد کے ان عمائدین میں سے جس کو حیدرآباد کا ہائی کمان کہنا چاہیے، بھری رہتی تھی، پھاٹک کی محرابوں اور کاغذ پھولوں کے جھاڑوں میں رواں دواں بجلی کے رنگین قمقمے اپنی شوخیوں سے افسردہ دلوں کو متحرک زندگی کی دعوت دیتے رہتے تھے۔(۱)

بعض لطیفے

مولانا محمد میاں لکھتے ہیں: ''سید طفیل احمد صاحب علیگ (مصنف روشن مستقبل) احقر کے خاندانی بزرگ تھے، اگرچہ رشتہ دور کا تھا مگر وہ میرے عم بزرگ ہوتے تھے، ایک کانفرنس میں وہ تشریف لائے تھے، اور احقر بھی وہاں پہنچا تھا، احقر نے اپنے مشاغل بیان کرتے ہوئے

(۱) جمعیۃ علماء نمبر ۷۸ ۔

کسی قدر فخر کے ساتھ اپنے منصب کا ذکر کیا کہ احقر ناظم تبلیغ ہے، توقع تھی کہ عم محترم خوش ہوں گے، خدمت تبلیغ کو احقر کے لئے سعادت قرار دیں گے، مگر خلاف توقع سید صاحب یہ بات سنتے ہی برافروختہ ہوگئے'' یہ زمانہ جنگ آزادی کا ہے، تم تبلیغ لئے پھر رہے ہو'' لیجئے جڑ ہی کٹ گئی نخل آرزو کی۔

اسی طرح ایک اور لطیفہ یاد آ گیا، یہ ۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے، جب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی پر سے پابندی ہٹی تھی اور وہ تقریباً بیس سال بعد ہندوستان واپس ہوئے تھے، اس وقت احقر کی زیرادارت مرادآباد سے رسالہ ''قائد'' نکلتا تھا، اس میں حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاری کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے، مولانا منصور انصاری بھی ان میں تھے جو ریشمی رومال کی خفیہ تحریک کے سلسلہ میں جلاوطن تھے، ہندوستان میں ان کا داخلہ تو بند تھا، البتہ مختلف ذرائع سے ان کے مضامین پہنچ جاتے تھے جو حکومت الٰہیہ کے متعلق ہوتے تھے، آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک دستور بھی مرتب فرمایا تھا، جس کا عنوان تھا ''امامت امت کا دستور اساسی'' یہ رسالہ قائد میں شائع ہوا، احقر نے یہ رسالہ حضرت مولانا سندھی کی خدمت میں پیش کیا، اول وہ رسالہ کی کتابت اور طباعت وغیرہ کی تعریف کرتے رہے، مگر جیسے ہی ان کی نظر اس مضمون پر پڑی، غصہ میں رسالہ کو پٹک دیا اور فرمایا'' انگریز جانتا ہے کہ نہ اس عنوان میں انقلاب برپا کرنے کی طاقت ہے، نہ اس طرح کے دستور میں، حکومت الٰہی محض جذباتی تصور ہے، اس سے صرف یہ کام لیا جاسکتا ہے کہ تحریک آزادی میں شریک ہونے سے لوگوں کو روکیں، اس کے ذریعہ آزادی ہرگز نہیں حاصل کی جاسکتی، اسی لئے انگریز بھی ایسے مضامین کی گرفت نہیں کرتا۔

آپ کی تصنیف ''عہدزریں'' سے اقتباسات

حضرت مولاناؒ کی تصانیف میں ایک اہم تصنیف ''عہدزریں'' بھی ہے، جس میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی مکمل تاریخ آیات قرآنیہ کی روشنی میں پیش فرمائی ہے، جو دراصل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب ''ازالۃ الخفاء'' جو فارسی زبان میں تھی، اس کو مولانا نے اردو کا جامہ پہنایا، انداز تحریر ایسا اختیار کیا کہ عام فہم ہو اور دلچسپ بھی، اسی کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے کہ کوئی مضمون چھوٹنے نہ پائے اور مفہوم پورا ادا ہو جائے، ترتیب ابواب میں ایسی تبدیلی کردی کہ پوری کتاب دور حاضر کے علمی نفسیات اور فکری تقاضوں کے بموجب ایک نئی کتاب بن گئی، موضوع سے تعلق رکھنے والے مضامین جن کو حضرت شاہ صاحبؒ نے ''قرۃ العین'' وغیرہ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، یا شاہ صاحب کے پوتے حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ''منصب امامت'' میں ان کو واضح کیا ہے، ان کا اضافہ کردیا، ابتدا میں ایک مقدمہ کا اضافہ کیا ہے، پھر جگہ جگہ حاشیہ میں قابل قدر تشریحات بڑھادی ہیں، جن کی وجہ سے موجودہ دور کے علمی مذاق کے بموجب بھی کتاب کی جامعیت مکمل ہوگئی ہے، لہٰذا پوری کتاب کا مطالعہ خصوصاً اہل علم کے لیے نہایت مفید اور بصیرت افروز ہے، تاکہ کلام الٰہی سے صحابہ کرام کے فضائل ومناقب اور ان کے کارناموں کو معلوم کیا جاسکے۔

حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی نے اس کتاب میں سے مندرجہ ذیل چند اقتباسات اپنی کتاب اقوال سلف میں نقل فرمائے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

تعمیر کعبہ کے وقت دعاء

چنانچہ عنوان ''تعمیر کعبہ کے وقت دعا'' کے تحت یوں رقمطراز ہیں:

(۱) کلام اللہ نے خبر دی ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت ان دونوں کے دلوں کی گہرائیوں سے جو کلمات زبان پر آرہے تھے، وہ یہ تھے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَمِيْعُ العَلِيْمُ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَتِنَا اُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ، وَاَرِنَا مَنَا سِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔(۱)

☆ اے ہمارے پروردگار ہمارا یہ عمل قبول فرما، بیشک تو ہی ہے دعاؤں کا سننے والا (کائنات عالم کی مصلحتوں کو) جاننے والا ہے۔

☆ اے ہمارے پروردگار ہمیں توفیق عطا فرما کہ سچے مسلم (اور تیرے احکام کے فرمانبردار) ہوجائیں۔

☆ اور ہماری نسل میں سے ایسی امت پیدا کر جو مسلمہ یعنی تیرے حکموں کی فرمانبردار ہو۔

☆ اور اے خدا ہمیں ہماری عبادت گزاری کے سچے طور طریق بتادے اور ہماری کوتاہی سے درگزر فرما، بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو اپنی رحمت سے گناہوں کو معاف کرتی ہے اور جس کی رحیمانہ درگزر کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

☆ اور اے خدایا اپنے فضل وکرم سے ایسا کرنا کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول پیدا ہو، جو انہیں میں سے ہو، وہ تیری آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائے، کتاب نور (دینی بصیرت) وحکمت کی تعلیم دے اور اپنی (پیغمبرانہ تربیت) سے ان کے دلوں کو مانجھ دے۔

☆ اے پروردگار! بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے۔

دعاء کے الفاظ دہرایئے اور ان سے اپنی عجز وانکساری کا سبق لیجئے، جو دعا کے وقت ہونا

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹۔

چاہئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا اولوالعزم رسول جس کا خطاب خلیل اللہ ہے، اس کی یہ عاجزی کس قدر سبق آموز ہے۔

ایک طرف یہ یقین رکھنا کہ وہ اللہ کے رسول اور نبی ہیں، یعنی ایک ایسی شخصیت ہے جس کو خدا نے خود منتخب فرمایا ہے، کہ ارشاد و ہدایت او رروحانی ترقی کے سلسلہ میں منشاء خداوندی پورا کرے، دوسری طرف اپنے ہیچ در ہیچ ہونے کا احساس کہ اس کی نظیر کسی بے کس ولاچار کے قلب مضطر میں بھی نہیں مل سکتی، کیا یہ سراسر معجزہ نہیں؟

صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کے سلسلہ میں توریت وانجیل کی شہادت

(۲) عنوان ''صحابہ کرام اور خلفاء راشدین توریت وانجیل کی شہادت'' کے تحت سورہ فتح کی آخری آیت " مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ اللّٰہ، وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ أَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّداً یَبْتَغُوْنَ فَضَلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَاناً، سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ، ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ، کَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَآزَرَہٗ، فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلیٰ سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ، وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَغْفِرَۃً وَأَجْراً عَظِیْمًا" درج فرمائی۔(۱)

ترجمہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو آپ کے ساتھ ہیں وہ سخت ہیں کافروں پر، مہربان ہیں آپس میں، تم ان کو دیکھو گے رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے، طلب کرتے ہوئے خدا کا فضل، اور اس کی خوشنودی، ان کی نیکی کی علامت ان کے چہروں میں (نمایاں ہے) سجدہ کے اثر سے، یہ ان کی شان (اور بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحب ان کی کہاوت ہے) توریت میں، اور ان کی ممتاز خصوصیت (کہاوت) جو انجیل میں ضرب المثل ہے، یہ ہے جیسے کھیتی، نکالا اسنے اپنا پٹھا (یعنی کیلیں نمودار ہوئیں)۔

---

(۱) سورۂ فتح آیت نمبر ۲۹۔

پھر ان کو قوی کیا (بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ ان کی کمر مضبوط کی) یعنی کیلیں بڑھیں اور مضبوط ہوئیں، پھر موٹیں ہوئیں، پھر کھڑی ہوگئیں اپنی نال پر یعنی تنہ دار پودا بن گئیں، جن کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہونے لگے، دوسری جانب یہ کافروں کے غیض وغضب کا باعث بن گئیں (بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحب ان کا جی جلنے لگا)۔

توریت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے بارے میں کیا فرق ہے؟

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ اس آیت کی بہترین تشریح فرمانے کے بعد یوں رقمطراز ہیں:

دعاؤں اور بشارتوں کے باب کو ہم مندرجہ ذیل دو آیتوں پر ختم کرتے ہیں، حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے متعلق توریت میں کیا لکھا ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، سطر اول میں سے (یعنی پہلا فقرہ یہ ہے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندے ہیں نہ سخت گو، نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں شور مچانے والے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے ہیں، اور بخش دیتے ہیں، جائے پیدائش مکہ ہوگی دار ہجرت طیبہ (مدینہ) ہوگا، ان کا ملک شام میں ہوگا، شام پر ان کی حکومت ہوگی۔

دوسری سطر میں ہے (یعنی یہ دوسرا فقرہ ہے)

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت بہت حمد کرنے والی ہوگی، مسرت اور مصیبت، نرمی اور سختی، غرض ہر حالت میں خدا کی حمد کیا کریگی، ہر ایک منزل، ہر ایک مرتبہ اور درجہ میں خدا کی شکر گزار رہے گی، ہر بلندی کے موقع پر خدا کی بڑائی اور اسکی عظمت کا اعتراف واظہار کرے گی، آپ کے امتی دھوپ کا ہر وقت لحاظ رکھا کریں گے (تاکہ نمازوں کو وقت پر ادا کر سکیں) جب نماز کا وقت آیا کرے گا خواہ وہ کسی حالت میں ہوں نماز ادا

کریں گے، حتی کہ اگر کوڑے کرکٹ کی میلی جگہ پر ہوں جب بھی نماز وقت پر ادا کریں گے، کمر پر تہبند (ازار) باندھا کرینگے، اور اعضاء (وضو کے ذریعہ) ہاتھ، پاؤں، چہروں کو پاک صاف اور روشن رکھا کریں گے، اوقات شب میں ان کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح گونجا کریں گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت کعب احبار سے دریافت کیا کہ توریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا اوصاف تم نے پڑھے ہیں؟ حضرت کعب نے وہی اوصاف بیان فرمائے، جو پہلی روایت میں گذر چکے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ نمازوں میں ایسی صف بندی کیا کریں گے، جیسے میدان جنگ میں، نیز یہ کہ ان کی گونج ان کی سجدہ گاہوں میں ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔

نماز میں صحابہ کرام کے سینوں کی آواز

تنبیہ (۱) نماز میں چلا کر رونا جائز نہیں، اس سے بعض سورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے، اب ایک طرف نماز کا یہ احترام ہو، اور دوسری جانب قلب پر رقت طاری ہو، تو اس صورت میں تنفس کی آواز عجیب طرح کی ہو جاتی ہے، اس آواز کو ان روایتوں میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور بظاہر زیادہ صحیح تعبیر وہ ہے جو صحابہ کرام کے متعلق صحیح احادیث میں وارد ہے، کہ شب کو تہجد پڑھتے ہوئے ان کے سینوں سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے جوش کے وقت ہنڈیا سے آواز نکلتی ہے، جس کو ہماری اصطلاح میں کھدکھداہٹ کہا جاتا ہے۔

اللہ کے ذکر سے قلب پر رقت

تنبیہ (۲) یہاں حضرات ارباب طریقت یہ بھی خیال فرمائیں کہ یہ کیفیت آسانی سے پیدا نہیں ہوتی، بہت سے مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد حاصل ہوتی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام مجاہدوں ریاضتوں اور سلوک وطریقت کے تمام اعمال کا منشاء اور انتہائی مقصد یہ ہوتا ہے

کہ خشوع وخضوع اسی طرح طبیعت ثانیہ بن جائے کہ جیسے ہی اللہ کا ذکر شروع ہو، قلب پر رقت طاری ہوجائے"اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ آیَاتُہُ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً"۔(۱)

مومن تو وہی ہے کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں، ان پر رقت اور خشیت طاری ہوجاتی ہے، اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جائے، حسن قبول کے لیے ان کے سینے کھل جائیں۔

حضرات صحابہ کا درجہ

تنبیہ (۳) ہمارا ایمان ہے کہ تزکیہ باطن، تقرب الی اللہ، خشوع وخضوع، عشق خدا اور محبت مولی کا جو درجہ حضرات صحابہ کو حاصل تھا، وہ پوری امت میں کسی کو نصیب نہیں ہوا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وہ تریاق اور وہ کیمیا ہے جو چشم زدن میں سنگریزہ کو پارس کی پتھری اور لعل بدخشاں بنادیتی تھی، یہ آیت اور مذکورہ بالا روایتیں ہمارے اس عقیدہ کی تصدیق کرتی ہیں۔

عبادت گزار کس طرح عبادت کرے

تنبیہ (۴) کچھ وہ ہیں جو سلسلہ ارشاد وطریقت کا انکار کرتے ہیں، اگر ان منکرین کے دلوں میں رقت وتضرع کی یہ کیفیت پیدا ہوگئی ہے، تو بے شک ان کا انکار کردینا صحیح ہوسکتا ہے؛ لیکن اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی تو ان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ سلسلہ ارشاد وطریقت اور اہل تصوف کے ان مشاغل کا انکار کریں، جن کا مقصد یہی ہے کہ خشوع وخضوع اور حضور وشہود کی وہ کیفیت پیدا ہو کہ ایک عبادت گزار اس طرح عبادت کرسکے، جیسے وہ خدا کو دیکھ رہا ہے، جس کی نماز صحیح معنی میں مناجات رب ہو اور جس کی مناجات سوز جگر کا ساز ہو۔(۲)

(۱) سورۂ انفال آیت نمبر۲۔

(۲) عہد زریں ج۱ صفحہ ۷۷ تا ۸۴ ملخصاً۔

فتح مکہ کے دن عام معافی، سب کچھ فراموش

اس کے بعد آپ نے مجمع پر نظر ڈالی، یہ مجمع انہی مجرمین کا تھا، جو تقریباً بیس سال سے اسلام کی بیخ کنی میں برابر سرگرم رہے تھے، جنھوں نے اسلام کا نام لینے والوں اور خود ذات اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنایا تھا، اب یہ محصور تھے، ایک لشکر جرار کے شکنجہ میں کسے ہوئے تھے، یہ منتظر تھے کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا، لب کشائی کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی، تو دریائے رحمت خود جوش میں آیا، ارشاد ہوا "یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ، مَاتَرَوْنَ إِنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ" اہل قریش! تم کیا سمجھتے ہو میرا فیصلہ تمہارے متعلق کیا ہوگا؟۔

یہ سب ظالم تھے، جفا کار تھے، مشرک وکافر تھے، مگر مزاج شناس بھی تھے، اور سخن شناس بھی، جواب دیا۔

"خَیْراً، اَخٌ کَرِیْمٌ اِبْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ" ہم بھلائی کی توقع رکھتے ہیں، آپ خود شریف، شریف بھائی کے چشم وچراغ۔

جواب میں ارشاد ہوا۔

"لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ، إِذْهَبُوا أَنْتُمْ طُلَقَاءُ" (جو کچھ ہونا تھا ہو چکا) آج تم پر کوئی الزام نہیں، غلام بنانے کا قاعدہ اب جاری نہیں کیا جائے گا، لہٰذا تم سب آزاد ہو۔(۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی کمال اور اخلاقی معجزہ

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے شدید ترین دشمنوں کے ساتھ جب کہ وہ مغلوب ومقہور ہو گئے، اس قدر رحمت ورافت کا معاملہ فرمانا یقیناً آپ کا روحانی کمال اور اخلاقی معجزہ تھا، اور اللہ تعالی کے ارشاد "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" پر کھلی شہادت، اور حدیث پاک

(۱) عہد زریں صفحہ ۱۸ار ج ۲۔

''بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ'' کی عملی تفسیر بھی، یقیناً آپ کا یہ حسن وسلوک شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے، اس لیے کہ اللہ کا ارشاد ''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' عام ہے، جملہ شعبہ حیات کے لیے خواہ دوست کے ساتھ معاملہ ہو، یا دشمن کے ساتھ، اقبال سہیل نے اس کا کیا خوب ہی نقشہ کھینچا ہے ؎

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے، گالی دی پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

سہم کے عوض داروئے شفا دی طعن سنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

تر ہوئی باراں سے سوکھی زمیں
یعنی آئے رحمۃ للعالمین

مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ اپنے زیردست مخالفوں کے ساتھ عموماً انتقامی جذبہ کے تحت ظلم وجور ہی کا معاملہ کرتے ہیں نہ کہ عفو درگزر کا، انعام واکرام کا تو تصور بھی نہیں، واللہ الموفق۔

غزوہ حنین کے اسباب شکست

غزوہ حنین کے اسباب شکست کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں: لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِی مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذَا عَجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْأً۔(۱)

بے شک اللہ مدد کر چکا ہے تمہاری بہت سے میدانوں میں اور جنگ حنین کے موقع پر جب تم میں ناز پیدا کر دیا تھا، تمہاری کثرت نے (تم اترا گئے تھے اپنی کثرت پر) پس تمہارے کچھ کام نہ آئی یہ کثرت الخ۔

---

(۱) سورہ توبہ آیت ۲۵۔

حقیقت یہ ہے کہ جب ان مجاہدین حق نے جن کی تعداد جنگ بدر میں صرف تین سو تیرہ تھی، اپنی تعداد کو بارہ ہزار سے بھی متجاوز دیکھا تو کسی کی زبان پر آ گیا "لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ" آج ہم تعداد کی کمی کے باعث ہرگز مغلوب نہیں ہوسکتے، یہ ایک قیاس تھا، اس کا مطلب حوصلہ افزائی بھی ہوسکتا ہے، اس طرح کا قیاس نہ کفر ہے، نہ شرک وفسق، اس قیاس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیں اللہ تعالی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے (معاذ اللہ) البتہ اس قیاس میں ایک طرح کی بو استغناء اور بے نیازی آتی ہے، اگرچہ اس کا احساس انہی پاک نفوس کو ہوسکتا ہے، جو فنا فی اللہ کے مدارج طے کر چکے ہوں۔

کثرت بھی محتاج نصرت ہے

یعنی اپنی ذات اور اپنے اسباب پر نظر ڈالنا، ان خدا شناش پاکبازوں کی نظر میں گناہ اور جرم ہے، جو اپنی انانیت ختم کر چکے ہوں، جن کے دل ودماغ پر یہ حقیقت چھا چکی ہو، اور اس کا یقین ہی نہیں؛ بلکہ اس کا ان کو عین الیقین حاصل ہو چکا ہو، وہ "ہیچ در ہیچ ہیں" ان کی ہستی حباب سے بھی کم ہے، ان کی حقیقت حضرت حق کے مقابلہ میں ذرہ سے بھی حقیر ہے، ذرہ میں اگر چمک ہے تو وہ اس کی اپنی ہرگز نہیں، جو چمک ہے حضرت آفتاب کا پرتو ہے، اور یہ پرتو بھی اس وقت تک جلوہ گر ہے، جب تک ذرہ آفتاب رو ہے، آفتاب سے کچھ بھی رخ ہٹا تو ذرہ ایسا بے حقیقت ہے کہ اس کو شمار میں لانا بھی عبث ہے، یہ بہت ہی باریک اور لطیف نکتہ ہے، اور یہی لطیف اور نہایت باریک نکتہ اس تنبیہ اور عتاب کا محرک ہے، اسی بناء پر یہاں بدر کا ذکر فرمایا جارہا ہے، کہ جس طرح بدر والی یاس انگیز قلت میں تمہیں نصرت خداوندی کی ضرورت تھی، اور اسی کی بناء پر کامیابی ہوئی، آج اگرچہ اس قلت کے مقابلہ میں کثرت ہے، مگر یہ کثرت بھی اسی طرح محتاج نصرت ہے، جس طرح بدر والی قلت محتاج نصرت تھی۔ (۱)

فائدہ: یقیناً حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نے غزوہ حنین وطائف میں شکست کی

(۱) عہد زریں جلد ۲ رصفحہ ۱۹۔

نہایت عارفانہ وصوفیانہ توجیہہ فرمائی جو قلب پر نقش کئے جانے کے لائق ہیں، فجز اہم اللہ تعالی احسن الجزاء

اس کے ساتھ ہی ساتھ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لیے اس میں زبردست نصیحت ہے کہ کثرت خواہ مال کی ہو یا اولاد کی، عبادت کی ہو یا افراد کی، اس پر ناز وغرور نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ اللہ کو ناپسند ہے، بلکہ قلت وکثرت ہر حال میں اللہ تعالی کی نصرت ورحمت پر ہی پر نظر رکھنی چاہیے، اور اس کو فوز وکامرانی کی اصل کلید سمجھنا چاہیے نہ کہ اپنے علم وہنر کو ؂

راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

یعنی سالک کو سینکڑوں علم وہنر ہونے کے باوجود ہر معاملہ میں اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ واللہ الموفق۔(۱)

(۱) اقوال سلف جلد ۶۔

مظلوم اردو اور مسلمانوں کا مستقبل

یہ مضمون ماہنامہ قاسم العلوم کے شوال وذی قعدہ ۱۳۵۵ھ کے شمارے میں شائع ہوا تھا، اس میں مولانا نے جس فکر اور درد کو پیش کیا ہے، اس کی آج ۷۸/سال بعد بھی اہمیت ہے، اور گویا کہ یہ آج ہی کی آواز ہے۔

دنیا اور اقوام دنیا

دنیا ایک کشت زار ہے، یہاں اعمال کی کاشت ہوتی ہے، جدوجہد اس کی سیرابی ہے، اس کے کاشتکار انسانی افراد بھی ہیں اور قومیں بھی، اس کے ثمرات دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ جمع کر کے آخرت کے لئے ذخیرہ کر لئے جاتے ہیں۔

یہ ایک عجیب وغریب لطیفہ ہے کہ افراد کے لئے اس کے نتائج بسا اوقات آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لئے جاتے ہیں۔

لیکن اقوام کی جدوجہد کا قومی اعتبار سے جو کچھ ہوتا ہے وہ بیشتر ان قوموں کو دنیا ہی میں ملتا ہے، ہاں یہ دوسری حقیقت ہے کہ چونکہ قوم کی عمر افراد کی عمر سے زیادہ ہوتی ہے، اس کی قوت افراد کی قوت سے بیش ہوتی ہے، اس لئے کسی قوم کے ان افراد کو ان کی جدوجہد کا ثمرہ کم ملتا ہے جو درحقیقت عامل اور مجاہد ہوتے ہیں، ہاں ان کی نسلوں کو ان کے آبا اور اجداد کی قربانیوں کے ثمرات حاصل ہوا کرتے ہیں۔

قربان ہونیوالوں کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ

تاریخ شاہد ہے کہ انقلابات عالم میں ہمیشہ یہی ہوا کہ قربان ہونے والوں کی مساعی جلیل ان کی جدوجہد کی آتش سوزاں، ان کی اولاد کے لئے گلزار ابراہیم بن گئی۔

ہزاروں معرکے گرم ہوئے، ہزاروں تختہ دار تیار کئے گئے، لاکھوں افراد ان کی بھینٹ چڑھے اور چڑھائے گئے، مگر ان کشتوں کے پشتے ان ہی کی آئندہ نسلوں کے لئے لالہ زار بن گئے۔

اسی طرح عیش پسند طبقہ اپنے تعیش کے گل چہروں میں آرام کی زندگی بسر کر جاتا ہے، مگر اس کی تباہ کاری کے برباد اثرات ان کے جگر گوشوں کے لئے خار مغیلاں بنتے ہیں۔

تمہارے ہی پڑوس میں بہت سے بیکس اور ناتواں بستے ہیں، دریافت کرو تو وہ ان گھرانوں کے چشم چراغ ہوں گے جو خوشحالی کی عیش و ترنگ میں فکر فردا سے غافل ہو گئے تھے "تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ"۔(۱)

اسپین کے خونی سانحات

آج اسپین کے خونی سانحات چشم دنیا کو عجب تماشہ دکھارے ہیں، یہ اسپین وہی ہے جہاں اب سے پانچ سو برس پیشتر عرب مسلمانوں کے متعلق اعلان کیا گیا تھا کہ اسپین سے نکل جاؤ، ورنہ عیسائی بن جاؤ، نہیں تو تلوار کے گھاٹ اتار دئے جاؤ گے۔

لیکن تم نے دیکھا، دست انتقام پانچ سو برس بعد کس طرح عبرتناک تاریخ مرتب کر رہا ہے، ان جفاشعار درندہ صفت ظالموں کی ہڈیاں زمین کے گڑھوں میں پوشیدہ ہو چکیں، پشتہا پشت کے بعد انتقام کا غیبی ہاتھ پردہ تقدیر سے ظہور پذیر ہوتا ہے، اور وہی امراء دولت، رؤساء قوم جو لاکھوں ابناء جنس کی قسمت کے مالک تھے، خود اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اپنی زندگی کے سرمایہ عیش و راحت کو اپنی ہی گولیوں کا نشانہ بناتے ہیں۔

باپ بیٹے کو اور شوہر بیوی کو خود ہلاک کر رہا ہے

باپ معصوم بیٹے پر بہت بڑا احسان کر رہا ہے، شوہر اپنی حبیب ترین بیوی پر بڑا کرم

(۱) سورۂ آل عمران آیت ۱۴۰۔

کررہا ہے، یعنی اس کو اپنے رائفل کا نشانہ بنارہا ہے، تاکہ باغیوں کے ہاتھ سے ذلیل نہ ہو، کیا دنیا کی تاریخ نے کبھی ایسا تماشا دیکھا تھا؟ باغی کون ہیں، وہی دوست، وہی عزیز، وہی اقارب، وہی بھائی جواب تک ساتھ ساتھ رہے تھے، مگر ایک تحریک نے ان کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنادیا، جس کی انتہائی آرزو دوسرے دوست کو اور اس کے اہل وعیال کو برباد کردینا اور ان کو ذلیل ورسوا کرنا ہے۔

ہندوستان کی تقدیر

ہندوستان اب سے تیرہ سو برس پہلے واقعی ہندوستان تھا، اس کی تقدیر پلٹی اور رفتہ رفتہ پانچ سو برس کی مسلسل جدوجہد کے بعد ہندوستان کے بجائے مسلمستان ہوگیا۔

رائے پتھورا کی راج دھانی، شہاب الدین غوری کے جبروت وجلال کا مظہر بن گئی، پرانی دہلی نے ناقوس کے بجائے سحرگاہی اذانوں کی طرب آفریں آوازیں سنیں اور پھر چھ سو برس متواتر اس کے جبین جلال پر اسلامی تاج کا کوہ نور درخشاں رہا۔

تاریخ نے اپنا ورق پلٹا

لیکن تاریخ نے اپنا ورق الٹا، زمانہ نے رخ پلٹا، فلک نیل گوں نے آنکھیں بدلی، تو مغلیہ کا تاج فرنگیوں کے قدموں میں، خاندان مغلیہ کا تاجدار رنگوں میں اسیر تھا، لخت جگر نونہالوں کو سرخ موت کا جام پلوا چکا تھا، اور خود اس کا منتظر تھا۔

مختصر یہ کہ تاریخ ہند کا تیسرا دور یہ تھا کہ ہندوستان ایسی قوم کے زیر نگیں ہوا، جو سات سمندر پار کر کے آئی تھی، اس سے پیشتر اگرچہ مختلف قومیں ہندوستان میں دیگر ممالک سے آکر حکمراں ہوئیں، مگر چونکہ فاتح اقوام نے خود ہندوستان ہی میں بود و باش اختیار کرلی، اس لئے ملکی حیثیت سے ہندوستان کی حریت میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ ایک مستقل دولت کی حیثیت سے دنیا کا زرخیز باثروت براعظم بنارہا، مگر فرنگی کی حکومت کا ڈھنگ سب سے

نرالا تھا۔

بہر حال مقصد تحریر یہ ہے کہ ہندوستان اگر چہ انگریز قوم کا غلام بن گیا، مگر تاریخ ہند کے لیے یہ حقیقت بھی صد مبارک باد کی مستحق ہے کہ وہ ایک دن کے لیے بھی غلامی پر قانع نہیں ہوا، انگریزی تسلط کے ساتھ انگریزی حکومت سے رہائی کی فکر بھی افراد اور پھر اقوام کے قلوب میں جاگزیں ہوتی رہی۔

تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو

۱۸۵۷ء کی تمام خونی جدوجہد حریت کی راہ میں پہلا معرکہ تھا، جس میں ہندوؤں کی قربانیاں (انصاف یہ ہے) کہ مسلمانوں سے زیادہ مستحق آفریں ہیں، کیونکہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا وہ اپنی حکومت کے لئے کیا، لیکن ہندوؤں نے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے لئے کیا، اپنے لئے نہیں، حد ہوگئی کہ وہ مرہٹہ جو ڈیڑھ سو برس سے مسلمانوں کے جانی دشمن تھے، آج تاجدار دہلی کے لئے اپنے سر نذر کر رہے ہیں، اپنی محبوب زندگیوں کو تخت دہلی پر نچھاور کر رہے ہیں؛ لیکن حکمراں قوم نے اس عجیب وغریب فداکاری سے یہ سبق لیا کہ ”ہماری پالیسی ہندوستان میں یہ ہونی چاہئے کہ تفرقہ ڈالو، اور حکومت کرو“۔

انگریزی زبان کی پالیسی

چنانچہ ۱۸۵۸ء سے شدت کے ساتھ اس پالیسی پر عمل درآمد شروع ہوتا ہے، چنانچہ ہندوستان کی دونوں قوموں میں مساوات کے بجائے ہندو قوم کو بڑھنے کا موقع ملتا ہے، اور مسلمانوں کو ذلیل ہونا پڑتا ہے، جس کے لئے مختلف صورتیں ایجاد کی جاتی ہیں، من جملہ ان کے حکومت کی زبان کا مسئلہ ہے جو اب تک فارسی تھی، مگر اس کو انگریزی سے بدل دیا جاتا ہے، مسلمان فارسی کا ماہر تھا، لہٰذا وہ حکومت میں پیش از پیش دخیل تھا، اس نے اب تک انگریزی سے اس لئے نفرت کی تھی کہ وہ اس کی خودداری کے مخالف تھی، دوسری قوم کی زبان

تھی، علاوہ ازیں اس کے کورس میں بائبل کو مقام دیا گیا تھا، جس سے اس کے بھولے بھالے ناتجربہ کار نونہالوں پر دہریت، زندیقیت، لامذہبی اور اسلام سے نفرت وغیرہ وغیرہ کے مضر اثرات پڑتے تھے۔

مسلمانوں کو حکومت کی پالیسی کے سامنے جھکنا پڑا

اس جدید زبان کے باعث اس کی حریت نوازی، اس کے قومی جذبات، مذہبی احساسات سب فنا ہوتے تھے، اور بقول مس مئو یہ ایک ایسا تخم تھا جو انگریزی حکومت کو بہت جلد تناور درخت کی شکل میں تبدیل کر دینے والا تھا، لیکن "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ" لامحالہ مسلمانوں کو حکومت کی پالیسی کے سامنے جھکنا پڑا اور مذکورہ بالا تمام بدیں خطرات کا شکار ہونا پڑا۔

ہندو مسلمانوں سے آگے نکل گیا

لیکن اس اثناء میں ہندو مسلمان سے بہت آگے نکل چکا تھا؛ کیونکہ اول تو وہ پہلے ہی سے انگریزی اور فارسی میں کچھ زیادہ فرق نہ محسوس کرتا تھا، علاوہ ازیں حکومت کی نظر عنایت کا خاص طور پر محور بنا ہوا تھا۔

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ باشندگان ہند ایک دن کے لئے بھی غلامی پر قانع نہیں ہوئے لیکن ۱۸۵۸ء کے بعد تفرقہ اندازی کی پالیسی کے ظہور میں آنے کے باعث حریت طلبی کے راستے مختلف اختیار کئے گئے، اور ہندو کے دل سے وہ جذبات یکسر فنا کر دئے گئے کہ آزادی ہند کے مقابلہ میں مسلم تفوق کی بھی وہ پرواہ نہ کرے، بلکہ ہندو اکثریت کا احساس پیدا کر کے ہندو تفوق کے جذبات اس کے دل میں پیدا کئے گئے۔

ہندو ذہنیت کے انقلاب میں پچاس سال صرف ہوئے

اس سے یہ فائدہ تو یقیناً ہوا کہ ۱۸۵۷ء کی طرح ہندو قوم مسلم شاہنشاہیت کے لئے اپنی

قربانیاں نہ پیش کر سکے، بلکہ اس کے برعکس افغانستان ہندو اکثریت کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گیا، لیکن یہ نقصان بھی پہنچا کہ ہندو جیسی کمزور قوم کو احساس تفوق نے انگریزی حکومت کے مقابلہ پر لا کر کھڑا کر دیا، اور جس طرح اس کی یہ خواہش اس کو آمادۂ ایثار کرنے لگی کہ اقوام ہند پر وہ فائق ہو، اسی طرح اس جذبہ نے بھی حکومت سے تصادم پر اس کو آمادہ کر دیا کہ ہندوستان میں وہ خود مختار ہو، آزاد ہو، ہندو ذہنیت کے اس انقلاب میں تقریبا پچاس سال صرف ہو گئے۔

مسلمانوں کے دو دور

مسلم قوم پر اس عرصہ میں دو دور گزرے، اول جبن اور عام بزدلی اور ہراس کا دور، کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد مخصوص طور پر اس کو اس قدر کچلا گیا تھا کہ اس نے حکومت پرستی ہی کو اپنی نجات تصور کر لیا تھا، اس کے بعد دوسرا دور احساس حریت کے نشو و نما کا۔

ہندوؤں کی کوشش کہ آئندہ حکومت کی زبان ہندی ہوگی

لیکن جب کہ مسلمان جبن اور بزدلی کی ذلیل غفلت سے بیدار ہو رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ ہندو انگریز کے مقابلہ میں خم ٹھوک کر کھڑا ہے، اور وہ آزادی کے میدان میں اس سے آگے نکل چکا ہے، اور منجملہ دیگر سوالات کے اس نے یہ سوال بھی پیش کر دیا ہے کہ ”حکومت کی آئندہ زبان ہندی ہوگی“ اس میں شک نہیں با احساس مسلمانوں کے لئے یہ سیاسی مسئلہ نہایت پیچیدہ اور لاینحل تھا۔

اپنے اپنے تفوق کی جدوجہد ہر ایک کا مساوی حق

حریت اس کا منصبی فرض، مذہبی فرض، مگر اپنے اندر طاقت نہیں، انگریز سے اس کی توقع رکھنے کے یہ معنی کہ انگریز کو خودکشی پر مجبور کیا جائے، اب اس کے صرف دو راستے تھے، اولا اپنی تنظیم پھر جدوجہد حریت، مگر ایسے ماحول کے ماتحت ناممکن جب کہ افتراق وانشقاق کا دور

دورہ ہو، معمولی معمولی مسئلوں پر ہزاروں فرقے پیدا ہو جائیں، سیکڑوں مجالس مناظرہ ومجادلہ گرم ہوں، ہر شخص بانی مذہب ہو، خودرائے ہو، دوسرے کی اتباع اس کے لئے عار ہو۔

دوسری صورت یہ تھی کہ اپنے تحفظات کے ساتھ آزادی طلب کثیر جماعت کے ساتھ اشتراک عمل کیا جائے، اوراسی سلسلہ میں اپنی تنظیم کے لئے جدوجہد کی جائے، مدبر بہی خواہاں ملت نے اس ثانی شکل کو اختیار کیا، اب صورت مسئلہ یا باصطلاح حاضر پوزیشن یہ ہوئی کہ: ''ہندوستان کی دوقومیں اپنے اپنے تفوق ورنہ کم ازکم قومی تحفظات کے ساتھ تیسری قوم سے گلوخلاصی کی طالب ہیں'' جب کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو تو لامحالہ تیسری قوم کے مقابلہ میں ان دونوں قوموں کا اشتراک عمل صحیح لائحہ عمل قرار دیا جائے گا، اور پھر ہر قوم کے لیے یہ بھی اس کا جائز حق ہوگا کہ وہ اپنے تفوق کی جدوجہد کرے، اس جدوجہد میں لامحالہ ہر ایک کا نکتہ نظر اور طرز عمل جدا جدا ہوگا، مگر حق یہ ہے کہ جب تک ہندو ہندو ہے، مسلمان مسلمان ہے، اپنے اپنے تفوق کی جدوجہد ہر ایک کا مساوی حق ہوگا۔

اور جس طرح حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا ابوالکلام صاحب جیسے اکابر ملت سے مسلم تفوق کے متعلق نکات پیدا کرنے اور اس کے متعلق جدوجہد کرنے کا مطالبہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا، اسی طرح گاندھی اور مالوی بھی ہندوقوم کے تفوق کی جدوجہد میں حق بجانب مانے جاسکتے ہیں۔

ہندوؤں سے مسلم حقوق کے تحفظات کی بھیک مانگنا انتہائی درجہ کا عجز وجبن ہے

مسلمان ان سے یہ تو مطالبہ کرسکتے ہیں کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے؛ لیکن ان کے ہندو ہوتے ہوئے یہ مطالبہ مسلمانوں کی جانب سے کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا کہ وہ ہندوقوم کے تفوق کی جدوجہد نہ کریں، بلاشبہ اس موقع پر گاندھی یا مالوی سے مسلم حقوق کے تحفظات کی

بھیک مانگنا انتہائی درجہ کا عجز اور جبن ہے، ہاں مسلمان کا فرض ہے، اور بلا شبہ فرض ہے کہ وہ بھی شہسوار بنے، اور ترقی کے میدان میں تفوق کی شاہراہ پر دوسری قوموں کے ہمدوش ہو کر ورنہ قدم آگے بڑھا کر تگا پو کرے۔

زبان کے مسئلہ میں مسلمان غافل

مگر افسوس مسلمان غلط راستہ پر چلنے کے عادی ہوگئے ہیں، اس سے بڑھ کر بدنصیبی، بدقسمتی اور بے حسی کیا ہوگی کہ زبان کا مسئلہ جس پر ہندو چالیس سال پیشتر سے متواتر جدوجہد کر رہا ہے، آج تک مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آیا، ہندو نہایت خاموشی سے کام کر رہا ہے، مگر مسلمان غافل ہیں۔

گاہے گاہے کوئی چیز سطح پر آجاتی ہے تو اخبارات میں اس کے متعلق چیخ و پکار پڑ جاتی ہے، لیکن عملی جدوجہد بھی ندارد، اور لطف یہ ہے کہ اس تکاسل اور تغافل کے باوجود اپنی قسمت پر ماتم کرنے کی بجائے دوسروں کو گالیاں دیں۔

مسلم فعال ہوتا ہے لعان نہیں

برادران ملت! مسلم فعال ہوتا ہے، لعان نہیں ہوتا، مگر افسوس تم لعنت ہی کو منتہائے عمل سمجھنے لگے، چاہتے یہ ہو کہ تم اپاہج رہو، دوسرا تمہارے لئے کسب کیا کرے، اور دوسرا بھی وہ دوسرا جس کو تمہارے سے وہی نسبت جو ظلمت کو نور سے، مگر تم ہی بتاؤ جو شخص اپنے لئے نہیں کر سکتا تو دوسرا اس کے لئے کیوں کرے گا، اس قسم کے مسائل کی فہرست بہت طویل ہے جو درحقیقت محض مسلم مفاد سے تعلق رکھتے ہیں، دوسروں کے لیے سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں، مگر مسلمان یہی چاہتے ہیں کہ دوسرے ہی اس کے لئے جدوجہد کریں۔

مظلوم اردو

ہم یہاں ان تمام مسائل کو بیان کریں، تو یہ مضمون ایک مستقل کتاب بن جائے، ہمارا

موضوع بحث صرف اردوزبان ہے، اور وہ بھی اس عنوان سے کہ ''مظلوم اردو'' اس سے بڑھ کر اور بے حسی کیا ہوگی کہ جب کہ ہندو کو اپنی زبان کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے چالیس برس گزر گئے تو آج ہم اپنے اس ناقص مضمون کے ذریعہ چند مسلمانوں کے سامنے ان کی زبان ''اردو'' کی اہمیت پیش کرر ہے ہیں۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
آنچہ با من کرد آں آشنا کرد

حکومت کی زبان کا مذہبی حیثیت سے قوم پر اثر

ایک تنقیح طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی زبان کو حکومت کی زبان قرار دیا جائے، تو مذہبی حیثیت سے اس قوم پر اس کا کیا اثر پڑے گا، جس کی وہ زبان نہیں، بلاشبہ مذہبی لحاظ سے ہر زبان کا بولنا، لکھنا، مباح ہے، مگر بہت سے مباح وہ بھی ہیں جو بسا اوقات مذہب کے لئے مضر بھی ہو جاتے ہیں، غالباً اسی باعث سے فقہائے کرام نے مباح کے اصرار اور مداومت کو گناہ صغیرہ قرار دیا ہے، مثلاً نماز میں ادھر ادھر دیکھنا، اذان بلاوضو پڑھنا وغیرہ امور مباح ہیں، لیکن ان چیزوں کو عادت قرار دے لینا لامحالہ مکروہ ہے۔

اسی طرح زبان اگر چہ نطق انسانی ہے جو مباح اور جائز ہے، مگر جب وہ کسی حکومت کا جز بنا لی جاتی ہے تو لامحالہ محکوم قوم کو اس کی مداومت اور مزاولت کرنی پڑتی ہے، اس زبان کا تکلم اگر چہ مضر نہیں تھا، مگر اس کی مزاولت اور بالخصوص باقتدار مداومت یقیناً مخصوص اثرات پیدا کرتی ہے، وہ اثرات بسا اوقات اس مذہب کے لیے مضر ہوتے ہیں جس کی وہ زبان نہ ہو۔

زبان کا اثر مذہب اور قومی شعار پر

حقیقت یہ ہے کہ الفاظ کی وضع مخصوص خیالات کے ماتحت ہوتی ہے، وہ خیالات اور

احساسات الفاظ سے جدا نہیں ہوتے ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فوارے کے ترشحات کی طرح اس لفظ سے وہ خیالات مترشح ہوتے رہتے ہیں، اور یقیناً اس شخص کی طبیعت کو متأثر کردیتے ہیں، جوان الفاظ کا یا اس زبان کا عادی ہوگیا ہے، یا جس نے اس زبان کا اقتدار تسلیم کرلیا ہے، مثال کے طور پر قلم، ہولڈر، نب، پین جیسے الفاظ کو لیجئے، قلم کی طرح پین بھی اپنے اندر ایک عمومیت رکھتا ہے، چنانچہ جیسے واسطی وغیرہ الفاظ سے قلم کی تخصیص کی جاتی ہے، اسی طرح فاؤنٹین وغیرہ سے پین کی تخصیص کی جاتی ہے۔

جو قوم اپنی زبان نہ محفوظ رکھ سکی وہ خود بھی محفوظ نہیں رہ سکتی

لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ پین سے جو تخیلات پیدا ہوں گے، وہ وہی ہوں گے جو قلم سے پیدا ہوتے ہیں، گلاس، جام، کاس، کوزہ، اسی طرح آفتابہ، لوٹا، بدھنا وغیرہ سیکڑوں کلمات ہیں، کسی زبان یا کسی محاورہ میں مستعمل ہوں؛ لیکن اپنی اصل زبان کا کچھ نہ کچھ تخیل یا بہ تعبیر دیگر اصلی زبان کے تخیل کی جانشینی ضرور اپنے اندر رکھتے ہیں، پھر جب کسی لفظ کا تکلم بار بار ہوتا ہے، تو طبیعت یہی چاہتی ہے کہ اس لفظ کے لئے وہی شکل اختیار کی جائے جس کے لئے وہ درحقیقت وضع ہوا تھا، اور اس طرح طبائع اس لفظ کے وضعی تخیل کے سامنے تام ہوجاتی ہیں، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عقائد، عادات، اخلاق، رسم ورواج، طرز معاشرت سب کچھ اس زبان کے بولنے والوں کا اختیار کرلیا جاتا ہے، اور اپنی تمام چیزیں فراموش ہوجاتی ہیں، اسی لئے مدبرین عالم کا یہ تاریخی مقولہ ہے کہ ''جو قوم اپنی زبان نہ محفوظ رکھ سکی وہ خود بھی محفوظ نہیں رہ سکتی''۔

مزید توضیح

اس کی مزید توضیح کے لئے خیال فرمائیے:

کہا جاسکتا ہے کہ ''پوشاک'' اور ڈریس، ایک ہی چیز کی دو تعبیریں ہیں، یا مثلاً بیٹھک،

نشست گاہ ، یا ویٹنگ روم ، یا مثلاً بیڈروم اورآرام گاہ سب ایک ہی معنوں کے دو دو عنوان ہیں: مگر کیا اس میں کوئی شک کیا جا سکتا ہے کہ لفظ پوشاک کا تخیل یہ ہے کہ شیروانی یا اچکن یا انگا ہو، اوپر صافہ، پاؤں میں وصلی یا سلیم شاہی جوتی ،اور لفظ ''ڈریس'' کا تقاضہ یہ ہے کہ کوٹ، پتلون، ہیٹ وغیرہ، اور لفظ لتا یا اس جیسا کوئی ہندی لفظ بولا گیا تو طبیعت کا میلان دھوتی ، انگو چھے وغیرہ کی طرف ہوگا، اگر ان الفاظ کو ان کے محل کے برخلاف بولا گیا تو ایک مذاق سمجھا جائے گا۔

اسی طرح نشست گاہ کا تخیل یہ ہے کہ ایک مکلّف مکان میں ایک تخت بچھا ہوا ہو، اس پر قالین ،گاؤ تکیہ وغیرہ ، چھت میں فرشی پنکھا آویزاں ہو، دیواروں پر دو چار طغرا، مگر ویٹنگ روم کا تخیل اس کے برعکس کرسی میز وغیرہ کا متلاشی ہوگا۔

تین لفظ معنوں میں ایک، شکل میں ایک نہیں

تین لفظ ہیں ، باورچی خانہ، رسوئی گھر ،کوک ہاؤس ،معنوں میں ایک مگر خود غور کرو شکل ایک نہیں ، باورچی خانہ میں کچھ قلعی شدہ دیگچیاں ہوں گی ، کفگیر اور بہت ممکن ہے چولہے پر گوشت چڑھا ہوا ہو،لیکن رسوئی گھر میں ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہوگی ، وہاں پیتل کی پتیلیاں، پیتل کا چمچہ، نیچے گوبر سے لپا ہوا چوکہ، اور کوک ہاؤس کی شکل ان دونوں سے جدا ہوگی۔

یہ تمام چیزیں وہ ہیں جن کا تعلق طرز معاشرت اور کلچر سے ہے،لیکن انگریزی الفاظ مثلاً ڈریس ، ویٹنگ روم ، بیڈروم، کوک ہاؤس نے محض حکومت کی زبان کے الفاظ ہونے کے باعث جو اثر کیا وہ ظاہر ہے کہ اچھا خاصا ہندوستانی نقلی انگریز بن گیا،تو کیا یہ غلط ہے کہ اگر لتا، بھون، رسوئی گھر خدانخواستہ حکومت کی زبان کا جز بن جائیں تو مسلمان کی معاشرت ہندو معاشرت کی غلام نہ ہوجائے گی ، پھر اسی قسم کا اختلاف جب ان الفاظ میں ہوتا ہے، جن کا

تعلق عقائد سے ہے، تو اذہان کا میلان لرزہ براندام کردینے والا ہے۔

چند قابل غور الفاظ

بطور مثال چند الفاظ درج ہیں، خود غور کیجئے، تشریح میں طوالت ہے:

اردو کا مستعمل لفظ	ہندی لفظ	اردو	ہندی
اللہ، خدا	پرمیشور، رام، ایشور	قیامت	پرلے
رسول، نبی	رشی، منی، اوتار	مذہب	دھرم
فرشتہ	دیوتا	روح	آتما
جنت	سورگ	فنافی اللہ	برہما میں بھسم ہوجانا
دوزخ	نرگ		

فہرست بہت طویل ہے، مختصر یہ ہے کہ جو لفظ بھی آپ استعمال کریں گے، ذہن اس کی اسی تفسیر کی طرف منتقل ہوگا، جو اصلی زبان کے لحاظ سے ہے، خدا کو پرمیشور کہہ دو، رسول کو رشی یا اوتار کہہ دو، مگر جب ان کی تفسیر کی جائے گی تو لامحالہ ذہن ان خیالات کو اپنے اندر جذب کرے گا، جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، اس وقت یہ تاریخی سرگذشت ذہن کے سامنے نہ ہوگی کہ مسلمانوں کی زبان میں اصل لفظ رسول یا نبی تھا، جس کی تفسیر وہ یہ اور یہ کیا کرتے تھے؛ لیکن جب اردو کو ٹھیٹ دیسی کیا گیا، یا ہندی کو حکومت کی زبان قرار دیا گیا تو بدیشی الفاظ خارج ہوگئے اور دیسی الفاظ نے ان کی جگہ لے لی وغیرہ وغیرہ، یہی باعث ہے کہ جو لوگ رسول یا نبی کو ریفامر کہہ دیتے ہیں وہ نبی کو صرف مصلح قوم لیڈر اور زعیم کی حیثیت دینے لگتے ہیں، پھر نہ اعجاز کا اقرار ہوتا ہے، نہ وجوب اتباع کا عقیدہ۔

مسلمانوں کا ظلم اردو زبان پر

ہندوستان کے مسلمان تین قسم پر منقسم ہیں:

انگریزی خواندہ۔

عربی خواندہ۔

عام مسلمان

تیسرے طبقہ پر کسی قومی مسئلہ کے متعلق ذمہ داری عائد نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ تابع کی حیثیت رکھتا ہے، ذمہ دار جماعتیں یہ دو ہی ہیں۔

انگریزی خواندہ حضرات

انگریزی زبان کو اپنی زبان بنالیا، وہ اگر مطالعہ کرتے ہیں تو انگریزی کتابوں، انگریزی ناولوں اور انگریزی اخبارات کا، اردو اخبارات کا مطالعہ ان کے لئے ہتک ہے، حد ہوگئی، قرآن شریف کے ترجمے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدس کے لئے بھی انگریزی تصانیف ہی تلاش کی جاتی ہیں، یہ حضرات اردو کی بہت کچھ خدمت کر سکتے تھے، مگر افسوس وہ ابتک اس سے منھ موڑے ہوئے ہیں، حیدرآباد کے علاوہ اگر ایجوکیشنل کانفرنس کی خدمات کو قطع نظر کرلیا جائے تو پورے ہندوستان میں اس پارٹی کے دل ودماغ پر صرف انگریزی زبان کی حکومت ہے۔

عربی خواندہ حضرات

ان کا جرم دوسری نوعیت لئے ہوئے ہے، یہ حضرات زبان کے مسئلہ کو اگر اپنے تقدس کے خلاف نہ بھی سمجھیں، مگر رسم الخط اور زبان کو بے معنی اور مذہب سے قطعاً غیر متعلق سمجھتے ہیں، اس لئے اردو زبان ان کی توجہات سے محروم ہے، مزید براں ہمارے بہت سے احباب طلبہ کرام تو یہاں تک بزرگی میں مستزاد ہوتے ہیں کہ اردو لکھنا اور اس کے متعلق نستعلیق، املا اور اردو کلمات کے ہجا تک سے ناواقفی کو اپنی سادگی اور بزرگی کی پہلی دلیل تصور کرتے ہیں، معاذ اللہ، اگرچہ وہ عربی زبان کو مقدس سمجھتے ہیں کیونکہ وہ شرعیات کی حامل ہے، اور خطابات

الٰہیہ کی مفسر اول، وہ اس کے تحفظ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، اس کے صرف ونحو میں مہارت حاصل کرنے کو بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر محاورات کی خودساختہ منطق محفوظ کر لینے کو اسلامی علوم کا جزو اعظم تصور کرتے ہیں اور پھر فارسی کو تقدس میں دوسرا مرتبہ بھی دینے کے لیے تیار ہیں، مگر افسوس اردو زبان جو اسلامی ہند کی زبان ہے، جو مسلمانوں کی معاشرت ان کے اخلاق، ان کے عقائد کی حامل ہے، جو بلاشبہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے لئے عربی اور فارسی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، وہ زبان ان کے الطاف وعنایات سے قطعاً محروم ہے، انگریزی خواندہ حضرات سے زیادہ شکایت نہیں کیونکہ وہ وارث انبیاء، نائبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہادی خلق نہیں قرار دئے گئے، سوال صرف ذمہ داران رشد وہدی خلفاء انبیاء علیہم السلام ہے، گستاخی معاف فرمائی جاوے۔(۱)

---

(۱) قاسم العلوم ماہ شوال ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ صفحہ ۱۷ تا ۲۴۔

ابنائے دارالعلوم دیوبند سے خطاب

حضرت مولانا سید محمد میاں کا طلبہ دارالعلوم سے یہ خطاب ماہنامہ دارالعلوم کے جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ کے شمارے میں شائع ہوا تھا، جس میں انہوں نے اہل مدارس اور طلبہ کو ایک اہم پیغام دیا ہے، کاش کہ طلبہ اس پر عمل کرلیں، تو کتنے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا

بایں ہمہ فراوانی آج ہم قلت میں ہیں

ہندوستان میں صرف یہی مرکز العلوم ہے، جس کے واجب الاحترام ابناء فرزندان کی تعداد اس وقت ہزاروں سے کم نہیں، جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں، ابنائے دارالعلوم سے مستفیضین کا شمار شمار سے بہت زیادہ ہے، ہزارہا فرزندان کے اس لشکر عظیم اور اس فوج جرار کا ہر فرد، عالم، فاضل اور سند یافتہ مولوی ہے، جو ”اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءُ“ کے پرشوکت اعلان نبوی کا طرۂ امتیاز اپنی دستار فضیلت میں لگائے ہوئے ہے۔

ان کے ماسواء دارالعلوم دیوبند کے بالواسطہ فیض یافتگان کا شمار ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک پہنچتا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ ایک ہی مرکز سے تعلق رکھنے والوں کی یہ تعداد اسلامیان ہندوستان کے لئے نعمت عظمی ہے، اور اسی طرح اس سلسلہ عالیہ کے ہر ایک متوسل کے لئے آیت رحمت اور وثیقہ رفعت، لیکن بایں ہمہ فراوانی آج ہم قلت میں ہیں، اور ”يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ“ کے برکات سے محروم ہیں۔

آج ہندوستان پر ہمارا تسلط کیوں نہیں؟

سوال یہ ہے کہ آج ہندوستان پر ہمارا تسلط کیوں نہیں؟

عروج وترقی کے سر بلند مینارہ پر ہمارا پرچم عظمت کیوں نہیں لہراتا؟
امارت وخلافت کے اخلاق کی تاریخ جس کو ہم وردزبان رکھتے ہیں عملاً کیوں نہیں دہراتے؟

مسلمانوں کے اخلاق پست کیوں ہیں؟ ان کی معاشرت کیوں تباہ ہے، مسرفانہ رسومات اور فضول مصارف نے ان کے اقتصاد کو کیوں برباد کر رکھا ہے؟ جہالت کی تاریک چادران پر کیوں تنی ہوئی ہے؟ مساجد کیوں ویران ہیں؟ دیہات بلکہ شہروں میں بھی اسلامی نام رکھنے والے کلمہ اسلام تک سے کیوں ناواقف ہیں؟

اور پھر کیا وجہ ہے کہ وارثان انبیاء علیہم السلام کے احترام سے دلوں کی کوٹھریاں خالی ہیں؟ ان کے اقتدار کے سامنے مدعیان ملت کی گردنیں کیوں نہیں خم ہوتیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ انہیں کو ملت اسلامیہ کا واحد نمائندہ کیوں نہیں تسلیم کیا جاتا؟ حالانکہ بانی ملت نے نظام ملت کا قائد اور جسد ملت کا قلب انہیں کو قرار دیا تھا۔

علماء ملت کو برباد کیا گیا

تسلیم ہے علماء ملت کو برباد کیا گیا، وار کے ہزاروں تختوں کو ان کے مقدس خون سے سیراب کیا گیا، پھانسیوں کے ہزاروں پھندے ان کی معصوم گردنوں کے گلو بند بنائے گئے، دارورسن، سیف وسنان کے ماسواء قید وبند سے بھی ان کی آشنائی قدیمی ہے، بید اور تازیانوں کی ایجاد انہیں کمروں کے لیے ہوئی تھی، جو حق صداقت کی پشت پناہ ہوا کرتی ہیں، انڈومان کے جزائر بھی ان کے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے محروم نہیں رہے، جب ضرورت پیش آئی کہ:

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو، اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو،

مگر مذاق اور رائے الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو‘‘۔(۱)

فارسی کی بجائے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دیا گیا

تو فارسی کے بجائے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دے کر ان کو سیاست سے خارج گیا گیا، علماء کی ہر ایک قابلیت کو نظر انداز کر کے ان کو غیر تعلیم یافتہ مانا گیا، سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کر دئے گئے۔

اور پھر اپنوں نے بھی اس نظریہ کی ہمنوائی کر کے انہیں پانی پی پی کر کوسا اور پیٹ بھر کر گالیاں دیں، اور ان کی توہین وتذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، ان کی ہر ایک چیز کا مذاق اڑایا، اور عوام کو ان سے متنفر کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا، یہ سب کچھ ہوا اور جس طرح دوپہر کے آفتاب کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح مسطورہ بالا واقعات میں سے کسی ایک کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی تہذیب دارالعلوم ہی کی برکت ہے

ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد ہی دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، اس تخریب واستیصال کا صرف تھوڑا سا حصہ باقی تھا جو بعد میں پورا کیا گیا، یہ بھی تسلیم ہے کہ اسلامی تہذیب جو کچھ ہندوستان میں باقی ہے جس کی نظیر سے آزاد ممالک اسلامیہ قاصر ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند ہی کی برکت ہے۔

پابندی شریعت اور اتباع سنت کا جو غلغلہ طول وعرض ہند بلکہ کابل، ایران وغیرہ ممالک میں ہے، وہ اسی ایشیا کے واحد مرکز علمی کی بدولت ہے۔

اگر رسمی سارٹیفکٹوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو آسانی سے چیلنج کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم میں اس مرکز علمی کا حصہ ۵۰ رفیصدی سے کم نہیں۔

---

(۱) تاریخ التعلیم از میجر باسو۔

اشاعت علم کی وہ خدمت
جو خود حکومت سے انجام پذیر نہ ہوسکی

ہندوستان کے طول وعرض میں ہزاروں مدارس اور مکاتب ہیں، جن کی قندیلوں کا روغن اسی شجرہ زیتون سے لیا گیا، پھر جب کہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے دروازے اور کھڑکیاں غریب اور نادار بچوں کے لئے بند کئے جارہے تھے، اسٹوڈینٹس کی جیبوں سے اربوں روپیہ کھسوٹ کر پروفیسروں اور پرنسپلوں کے عشرت کدوں پر لٹایا جارہا تھا، اس مرکز علمی سے واسطہ رکھنے والے مدارس اور مکاتب نے اپنے پھاٹک غریبوں کے لئے کھول دئے، یتیم اور لاوارث بچوں کو آغوش تربیت میں لیا، کھانے پینے، رہنے سہنے، پڑھنے لکھنے وغیرہ کا تمام سامان کارکنان مدارس ومکاتب نے مسلمانوں سے بھیک مانگ کر کیا، بے انتہا زحمتیں اور اس مقصد خیر کے لئے بے انتہا ذلت واہانت برداشت کی اور اشاعت علم کی وہ خدمت انجام دی جو بڑی حکومتوں سے اور خود حکومت ہند سے انجام پذیر نہ ہوسکی۔

غرض اس قسم کی بہت سی برکتیں ہیں جو اس مرکز قدس وشرف سے ظہور پذیر ہوئیں، یہ بھی مجھے تسلیم ہے کہ موجودہ جہالت صرف اسی دور کی پیداوار نہیں، جس کو انگریزی دور کہا جاتا ہے، بلکہ وہ نتیجہ ہے اس طوائف الملوکی کے دور کا جو سلطان عالمگیر کے بعد شروع ہوا، جس کی عظیم الشان رکنیت ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندوستانی ایجنٹوں کو حاصل تھی، جس کے متعلق ۱۸۲۳ء میں آنریبل ایم، اینفسٹن اور آنریبل، ایف وارڈن نے ایک متفقہ یادداشت گورنمنٹ میں پیش کی تھی جس کا اقتباس یہ ہے: ''انصاف یہ ہے کہ ہم نے دسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کردئے، ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ نہ صرف ان کی علمی ترقی کی ہمت افزائی کے تمام ذرائع کو ہٹالیا ہے، بلکہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہوجانے اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار فراموش ہوجانے کا اندیشہ ہے''۔(۱)

---

(۱) روشن مستقبل صفحہ ۱۲۳۔

دارالعلوم نے ڈیڑھ سوسالہ دور جہالت کو اٹھانیکی کی کوشش کی

دارالعلوم دیوبند نے اس ڈیڑھ سوسالہ دور جہالت کو اٹھانے کی کوشش کی، اوراس تاریک فضا میں جس کولادینی اور لامذہبی، انگریز پرستی اور خود فراموشی کی آندھیوں نے گردوغبار سے بھر دیا تھا، علم وفضل کے چراغ روشن کئے، تاہم سوال یہ ہے کہ اس وقت سلسلہ فرزندان دارالعلوم کی کثیر تعداد کے باوجود جہالت، لادینی، اسراف اور فسق وفجور کی یہ پھیلی ہوئی فضا مسلمانوں میں کیوں موجود ہے۔

طلوع صبح صادق کے بعد شب دیجور کی یہ تاریکی کیسی؟ نشور رحمت کے بعد قلوب امت قنوط زدہ کیوں ہیں؟ نزول غیث کے ساتھ خیابان ملت تفتید ہ جگر کیوں ہے، زمانہ اگر ساز نہیں کرتا تو یہ ایک نیا زمانہ کیوں نہیں بنا لیتے، ابنائے زمانہ اگر ان کا ساتھ نہیں دیتے تو یہ خود گراں پا کیوں ہو گئے۔

نیا آسماں کیوں نہیں بنا لیتے

اسماعیل شہید، سید احمد شہید، امداداللہ مہاجر مکی، قاسم ورشید اور محمودالحسن کے یہ فرزند دنیا میں موجود ہوں اور مسلمانان ہندان کو اپنا واحد نمائندہ تسلیم نہ کریں یاللعجب، یہ جمود کیسا، اگر یہ دہرنا پائیدار بے وفا اور ناقدر شناس ہے تو اس کو پلٹ کیوں نہیں دیا جاتا، پیر فلک کی آخر شکایت کب تک، ایک نیا آسمان کیوں نہیں بنا لیتے۔

کیا دوڑتے دوڑتے تھک گئے ہیں، بعد مسافت نے آبلہ پا کر دیا ہے، یا ابھی چلنا ہی نہیں شروع کیا، کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جن سے چلنے کے لیے نہیں کہا گیا، جن کی بلندی وبرتری اور عروج وترقی کو ''متاع قلیل'' کہا گیا ہے، جس کا نتیجہ جہنم ہے، وہ سراسر جدوجہد بنے ہوئے ہیں، مصروف عمل ہیں، بلکہ پیکر کردار۔

اور جن کے لیے لازوال ابدی اور دائمی نعمتوں کے خزانے فراہم کئے جائیں گے، جن کو

رضوان الٰہی کی دولت لازوال سے نوازا جائے گا، وہ افتادہ پا ہیں، آخر وجہ کیا ہے؟
یہ صحرانورد، خانہ نشین کیوں ہیں؟ جن کے تلوؤں کی کھجلی خار دشت کی آرزو کیا کرتی تھی، وہ ٹوٹی جھونپڑیوں کے کونوں میں کیوں چھپ رہے ہیں، یہ دنیا داروں کے اور دنیا کے شاکی کیوں ہیں، دوش دنیا پر سوار کیوں نہیں ہو جاتے، اگر تنزل وتقاعد کے کچھ اسباب ہیں تو کیا ہیں، اوران کا علاج کیا، آؤ آج اسی پر غور کریں۔

تنزل وانحطاط کے اسباب

میرے خیال میں اس کا سبب ایک ہے، اور صرف ایک، ہم نے اپنا منصب نہیں پہنچانا، دنیا کہتی ہے کہ آپ وارث انبیاء ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ وارث انبیاء ہیں، قرآن پاک نے انبیاء علیہم السلام کے فرائض ان کے حوالے فرمائے۔
اور ہم بھی فضائل علماء بیان کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ یہ جماعت وارث انبیاء ہے اور نہ صرف وارث بلکہ برسرمنبر کہا کرتے ہیں، اور پوری قوت سے کہا کرتے ہیں کہ "عُلَمَاءُ أُمَّتِیْ کَأَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلِ" مگر ہمیں خود اپنی حیثیت میں کبھی خیال بھی نہیں پیدا ہوتا کہ واقعی ہم وارث انبیاء ہیں، اور اگر کبھی خیال پیدا بھی ہوتا ہے تو نہایت کمزور۔
مختصر یہ کہ ہم کہتے ہیں مگر سمجھتے نہیں کہ وارث انبیاء علیہم السلام ہم ہی ہیں، کیا اس کا سبب انکسار نفس ہے، جو انکسار نفس اداء فرائض سے قاصر رکھے وہ انکسار نفس نہیں بلکہ غفلت، جبن، بے حسی اور بے شعوری ہے، جو مدح کے بجائے مذمت اور ثواب کے بجائے عذاب کا مستحق گردانتی ہے۔

مادر علمی کا قصور

بیشک ہماری اس بے شعوری میں "مادر علمی" کا بھی کسی قدر قصور ہے، علم بغیر تربیت (ٹریننگ) ناتمام ہے، ہماری تعلیم ہوتی ہے مگر اس کے بعد مستقبل کے متعلق اگر کوئی فیصلہ طلبہ

کر بھی لیتے ہیں تو مادر علمی کی جانب سے اس فیصلہ کے بموجب تربیت و تکمیل کی کوئی صورت مہیا نہیں ہوتی، مثلاً اگر کسی طالب علم نے فیصلہ کرلیا کہ اس کو آئندہ زندگی تبلیغ میں صرف کرنی ہے تو تبلیغ کی کیا صورت ہونی چاہیئے، اس کے آداب وقواعد کیا ہیں، کن کن کتابوں یا فنون کی یا زبانوں کی ضرورت ایک مبلغ کو ہوسکتی ہے، اس طالب علم کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے، غرض ان چیزوں کے متعلق ''مادر علمی'' کی جانب سے کوئی امداد نہیں فرمائی جاتی ہے۔

ہماری پستی کے اسباب

مگر حقیقت یہ ہے کہ ''مادر علمی'' کے قصور سے زیادہ خود ہمارا قصور ہے، ہم علم ضرور حاصل کرتے ہیں مگر نصب العین نہیں متعین کرتے اور اگر نصب العین ہوتا ہے تو صرف پڑھانا، گویا ایک مولوی دنیا میں صرف ''تدریس'' ہی کا کام کرسکتا ہے اور جو مولوی کسی مدرسہ کا مدرس ہوجائے وہ کامیاب ہے، زمانہ تعلیم میں نصب العین سے ہماری لاپرواہی یا تردد کے مہلک نتائج ہی آج ہماری پستی کے اسباب ہیں، آج اسی خرابی کے باعث بلامبالغہ ہم ۹۹ رفیصد ناکام ہیں۔

ہم نے کوئی نصب العین متعین نہیں کیا

چونکہ پہلے سے کوئی نصب العین متعین نہیں کیا، لہٰذا زمانہ تعلیم میں اگر ہم محنتی اور مستعد طالب علم ہوتے بھی ہیں، تو ہماری محنت اور مستعدی کا دائرہ صرف درسیات میں منحصر رہتا ہے، ان کے ماسواء تاریخ، جغرافیہ، اصلاح اخلاق تک کی فکر نہیں ہوتی، انتہا یہ ہے کہ اگر ہم نے پہلے سے حساب اور تحریر جیسی ضروری چیزیں نہیں سیکھی ہیں تو اب ان شرمناک خامیوں کے دور کرنے کی جانب بھی التفات نہیں ہوتا۔

جب ہم محنت کرکے درسیات کی تکمیل سے فراغت حاصل کرتے ہیں، اور دورۂ حدیث شریف کے سخت امتحانات میں اعلی نمبر حاصل کرکے ایک طویل وعریض سند حاصل کرلیتے

ہیں، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''کیا کرنا چاہئے'' اس وقت تک اگر آئندہ زندگی کے متعلق سوال پیدا ہوا تھا، تو ''تدریس وتعلیم'' یہی اس کا جواب تھا، لہٰذا ہم سب سے پہلے کسی مدرسی کی جگہ کے متلاشی ہوتے ہیں۔

اس جستجو میں ہماری کج روی کس قدر جگر فگار ہے ''الامان والحفیظ''۔

یہ مدارس مسلمانوں کے لئے رحمت وبرکت ہیں

ظاہر بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد اور دہلی، رامپور، بریلی، کانپور، لاہور وغیرہ کے مدارس عربی سے جب ہر سال کم ازکم پانچ سو علماء تیار ہوں گے تو ہر ایک کو مدرسی نہیں مل سکتی، لہٰذا پہلی کوشش کی جاتی ہے کہ خود مدرسہ قائم کرلیا جائے، اگر تبلیغ واصلاح کے مقصود کو سامنے رکھ کر دیہات وقصبات میں مدارس قائم کئے جائیں اور حسب ضرورت ان میں مسلمان بچوں کو تعلیم دی جائے، انہیں کے ماتحت مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی کیا جائے اور پھر اس مدرسہ کو ایک مرکز قرار دے کر مضافات میں تبلیغ کی جائے، حق وصداقت پر قائم رہ کر مسلمانوں کے اخلاق و معاشرت کی اصلاح کی جائے، تو بلاشبہ یہ مدارس مسلمانوں کے لئے رحمت، برکت اور سراسر برکت ہیں، نیز مندرجہ ذیل ارشاد ربانی کی تعمیل کی بہتر اور آسان شکل ہے: ''فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ''۔(۱)

ہر ایک کو دارالعلوم بنانیکی فکر

لیکن افسوس چند قسم کی بدقسمتیاں ہمارے اس پاکیزہ مقصد کو واژگون کردیتی ہیں، مثلاً:

(۱) اصلاح اخلاق، اصلاح معاشرت، غرض جملہ اصلاحات کو صرف بریلویت اور

---

(۱) سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۲۲۔

دیوبندیت کی جنگ میں منحصر کرلیا جاتا ہے۔

(۲) سلسلہ تعلیم میں عام مسلمانوں کی ضرورت کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ اپنی استعداد کی افزونی مدنظر رہتی ہے، لہٰذا کوشش یہ ہوتی ہے کہ عربی پڑھنے والے طلبہ فراہم ہوں اور بخاری شریف وترمذی شریف یا قاضی، صدرا، شمس بازغہ کا درس ان کو دیا جائے، یعنی کوشش کی جاتی ہے کہ ہر ایک چھوٹے سے گاؤں میں بھی قائم کیا جائے تو دارالعلوم جو مرکز العلوم کا خطاب جلد حاصل کرسکے۔

بسا اوقات انہیں جذبات کے ماتحت ایک ایک شہر میں کئی کئی مدارس قائم کئے جاتے ہیں اور ہر ایک کو دارالعلوم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس جذباتی جدوجہد میں مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم سے توجہ ہٹ جاتی ہے جو درحقیقت فرض تھی اور جس کے لئے زائد سے زائد مدارس کے قیام کی شدید ترین ضرورت اس وقت بھی موجود ہے اور آئندہ بھی رہے گی، جب تک مسلمانوں کے ہر ایک گاؤں اور ہر ایک محلّہ میں مذہبی تعلیمات کا ایک مدرسہ نہ قائم ہوجائے اور جب تک ہر ایک مسلمان لڑکا اور لڑکی، مذہبی ضروری تعلیم سے کماحقہ واقف نہ ہوجائے۔

ضرورت کے مطابق مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کی بجائے انتہائی تعلیم ہماری توجہات کا مرکز بن جاتی ہے، لہٰذا ضرورت پڑتی ہے کہ ہر ایک مدرسہ میں دو چار فضلا دارالعلوم دیوبند ہوں جو درسیات کو آخر تک پڑھا سکیں، یہ مدارس چونکہ مسلمانوں کی عام ضرورت سے چشم پوشی کرکے ان کی جائز خواہش کے خلاف ان کے سر پر ڈالے جاتے ہیں، لہٰذا ان کی مالی ضرورتوں کے پورا کرنے کی جانب مقامی مسلمان متوجہ نہیں ہوتے، یا متوجہ ہونے کی طاقت اور ہمت نہیں رکھتے، لہٰذا دیگر مقامات سے چندہ فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم یا مدرسہ شاہی کا فارغ التحصیل طالب علم اپنے مرکز علمی کی امداد کی بجائے، خود ان کی آمدنیوں پر حملہ کرتا ہے اور اس طرح غیر ارادی طور پر اپنے علمی

مرکزوں کو کم از کم خاطر خواہ ترقی سے روک دیتا ہے۔

مدارس کی طوائف الملو کی

وہ گورنمنٹ جس کے نظریہ کا علم ''لارڈ میکالے'' کے مسطورہ بالا قول سے ہوجاتا ہے اور جس کے نظریے کونا کام کرنے والے صرف علماء ہی ہوسکتے تھے، اس نے مدارس کے بارے میں ''یہ طوائف الملو کی'' دیکھی تو خود بھی علوم مشرقیہ کی یونیورسٹیاں قائم کر کے اپنے مذاق کے مولوی تیار کرنے کی فیکٹریاں تیار کردیں، اور پھر علم پروری کے پردہ میں دیگر مدارس کو بھی امداد کی طمع دلا کر سرو آزاد کی چوٹی پر پرواز کرنے والے طائران حریت کو من مانی شرائط کی تھیلیوں میں بند کردیا۔

ہمارے یہاں معیار قابلیت یونیورسٹی کا امتحان ہے

اب نہ صرف ایک عالم دین اور وارث نبی، بلکہ پورا علمی ادارہ، ایڈ کے چند سکوں کے لئے ملوکیت واستعماریت کے دست باطل پرست پر بیعت کرنے لگا۔ معاذ اللہ

حضرات علماء وفضلاء کی ماشاء اللہ کثرت نے نکبت وافلاس کے اس طوفانی دور میں ملوکیت کے منحوس قدموں کو بہت جلد موقع دیدیا کہ وہ آگے بڑھیں اور دارالعلوم دیوبند جیسے علمی مرکز کے وقار کو خاک میں ملادیں۔

چنانچہ تدریس وتعلیم کے شوقین فضلا جدید، جب علم وفضل کی متاع گراں بہا کو لے کر (افسوس صد افسوس) بازار ملازمت میں پہنچے، تو انگریز پرستی کے ایجنٹوں کی طرف سے اعلان کردیا گیا کہ آپ کے سینوں میں خواہ کتنا ہی علم ہو، ہمارے یہاں معیار قابلیت یونیورسٹی کا امتحان ہے۔

جن کا نصب العین ملازمت تھا

جن غریبوں کا نصب العین ہی ملازمت تھا یا لیلیٰ تدریس کی منزل ہی کو مقصود زندگی بنا چکے تھے، ان کو دارالعلوم دیوبند کے وقار اور احترام سے کیا غرض۔

بلاسوچے سمجھے داعی شیطنت کی فرعونی ندا پر لبیک کہا اور یونیورسٹی کے امتحان میں شرکت کر کے اول درجہ کی کامیابی حاصل کر لی۔

اب ایک جماعت ہائی اسکولوں اور کالجوں میں پہنچی، جس نے کھلم کھلا اپنی تمام علمی برتری نہیں بلکہ حاصل کردہ ''وراثت نبوت'' کو معاذ اللہ انگریز کے قدموں پر نثار کر دیا، یہ وہی اسکول اور کالج ہیں جن کے متعلق اکبرالہ آبادی نے کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کی فرعون کو کالج نہ سوجھی

سیکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ تدریس کے شوق میں علم حاصل کیا، فراغت کے بعد ایک عرصہ تک کسی عربی مدرسہ میں ملازمت کی تلاش رہی، محبوبہ تدریس کے عشق نے کسی اور سلسلہ کی جانب توجہ کی فراغت بھی نہ دی، مگر تعلیم و تدریس سے اس چند سالہ بے تعلقی نے رفتہ رفتہ علم کی تازگی کو ختم کر دیا، اب اگر کسی مدرسہ میں جگہ مل بھی گئی تو ناقابلیت کے الزام میں جلد ہی خارج کر دیا گیا۔

ضروریات ملت میں امام صاحب مقتدی ہوتے ہیں

یا چند سالہ جدوجہد کے بعد ضرورت معاش عشق تدریس پر غالب آ گئی تو کسی مسجد کی بامشاہرہ خطابت یا امامت کو غنیمت سمجھ لیا گیا، فی الواقع یہ منصب امامت بہتر تھا اگر نماز کی طرح دیگر امور ملی و ضروریات مذہبی میں شان امامت باقی رہتی، مگر بسا اوقات امامت صرف نماز میں یا چند اختلافی مسائل میں منحصر ہو جاتی ہے دیگر ضروریات ملت میں امام صاحب مقتدی ہوتے ہیں اور جماعت یا منتظمان مسجد امام ہوتے ہیں، بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ آزاد مدارس عربیہ کے فضلاء نے فکر معاش سے مجبور ہو کر میونسپلٹی یا ڈسٹرکٹ بورڈ کی پرائمری مکاتب کی ملازمت ہی کو ذریعہ معیشت قرار دیا، کاش یہ حضرات ابتدا ہی سے نص قرآنی کے بموجب انذار و اصلاح کو اپنا نصب العین قرار دیتے اور تحصیل علم کے بعد اپنے وطن عزیز میں پہنچ کر سب سے پہلے وہاں کی

اصلاحی ضرورتوں پر نظر ڈالتے اور انہیں اصلاحات کے پیش نظر مدرسہ یا مکتب، یا تبلیغی ادارہ قائم کر کے ذریعہ معاش بھی فراہم کر لیتے اور فرض منصبی کو بھی ادا کرتے۔

ضرورت کی جگہ پر ادارے کا قیام

اگر اپنی بستی میں پہلے سے کسی ادارہ کے قیام کے باعث ضرورت نہ ہوتی تو قرب وجوار کے جس مقام پر ضرورت ہوتی وہاں پہنچ کر کسی دارالعلوم کے قیام یا اپنے صنم علم پرستش کے لیے نہیں بلکہ وہاں کے مسلمانوں کی ملی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے وہاں کی ضرورت کے موافق ادارہ قائم کرتے اور ارشاد الٰہی "وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ" کی تکمیل کی ابدی سعادت حاصل کر لیتے۔

اور ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ اس قرآنی فلسفہ کو سمجھ کر کام کیا گیا، تو دنیاوی اعتبار سے بھی کامیابی حاصل کی، اور توقع ہے کہ آخرت میں بھی یہ حضرات کامیاب ہوں گے۔

دارالعلوم کا حیات پرور مقصد ہمارے سامنے نہیں

اس تمام کج روی اور بے راہی کا سبب صرف ایک ہے اور وہ یہی کہ ہم ابتداء سے اپنا نصب العین متعین نہیں کرتے، دویم یہ ہم دارالعلوم کو صرف ایک درسگاہ سمجھتے ہیں جس میں مختلف ممالک کے بہت سے طلبہ پڑھتے ہیں، وہاں اساتذہ بہت بہترین اور اس کی سند تمام مدارس عربیہ میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

وہ اعلیٰ وارفع اور حیات پرور مقصد جس کے لیے دارالعلوم دیوبند قائم کیا گیا اور جس کی تکمیل ہر ایک فرزند دارالعلوم کا فرض ہے، ہمارے سامنے قطعاً نہیں ہوتا۔

تلاش ملازمت میں مجھے زیادہ دشواری نہیں پیش آئی

میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری حالت بھی وہی رہی جو دارالعلوم کے کسی ایک طالب علم

کی ہوسکتی ہے، بلاشبہ یہ خداوندی فضل وکرم ہے کہ تلاش ملازمت میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی اور حضرت سیدی العلامۃ الاستاذ مولانا محمد اعزاز علی صاحب مدظلہ العالی، نیز استاذ العلماء فخر المحدثین حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی توجہات سے تدریس کا بہتر منصب میسر آ گیا۔

البتہ اسلام کی بہتر خدمت کا شوق ابتداء سے تھا، اور ابتک ہے، اوریہی دعا رہی اور ہے کہ ملت بیضاء کی اعلی اور احسن خدمت کی توفیق عطا ہو۔

البتہ تقریباً اٹھارہ سال کے مختلف تجربوں اور ہندوستان کے مختلف گوشوں کے حالات کے مشاہدہ نے ایک خاص درد پیدا کر دیا ہے جس کے لئے دوا کی تلاش ہے:

میں بلبل نالاں ہوں اس اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

دارالعلوم میں درجہ تکمیل کا قیام

معلوم ہوا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند ودیگر اکابر درجہ تکمیل قائم کرنا چاہتے ہیں، یہ درحقیقت احقر جیسے دلدادگان اضطراب کے لیے مژدہ جاں بخش ہے، خدا کرے کہ یہ ارادہ جلد از جلد منصۂ تکمیل پر جلوہ افروز ہو، یہ نوید جاں افزا، تمناؤں کی ایک نئی دنیا سامنے کر دیتی ہے، اور فکر وتخیل کا طائر بلند پرواز وہ نشاط حاصل کرتا ہے جو کسی طرح بھی قلم کے خطوط ونقوش میں اسیر نہیں ہوسکتا، مختصر طور پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آج ہم فرزندان وبہی خواہاں دارالعلوم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دور پرفتن و پرآشوب میں صرف دارالعلوم دیوبند ہی حامی ملت اور محافظ دین ہے، دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل وعقد بھی یہی فرماتے ہیں اوراسی کا اعلان کرتے ہیں، اور بلاشک وشبہ واقعہ بھی یہی ہے کہ ۷۹ر سال کے اس طویل دور میں صرف دارالعلوم ہی محافظ ملت رہا اوراسی نے مسلمانوں کے سامنے

مذہبی اور ملی ترقی کی صحیح راہ عمل پیش کی اور مسلمانوں نے مذہب وملت کے لحاظ سے جو کچھ ترقی کی وہ صرف اسی ایک مرکز کے ذریعہ سے۔

دارالعلوم اسلامی تہذیب کا قلعہ معلّٰے

لیکن اس واقعی حقیقت کے باوجود انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہم عزم کی کمزوری میں مبتلا ہیں، ہم اس حقیقت کو مبالغہ تصور کرتے ہیں، ہمیں شک وشبہ کی ہر آلائش سے پاک ہوکر یہی یقین رکھنا چاہئے کہ دارالعلوم اور صرف دارالعلوم ہی حفاظت وترقی ملت کے لیے قائم کیا گیا ہے اور یوم آغاز سے ہی آج تک صرف دارالعلوم ہی حفاظت وترقی کا واحد ذمہ دار رہا، اور یہی مرکز علوم، قرآنی علوم اور اسلامی تہذیب کا قلعہ معلے اور ترقی ملت کا محور رہے گا۔

اس پختگی عقیدہ اور اس اذعان ویقین کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کی تمام ضرورتیں ہمارے سامنے آئیں گی اور ہر ایک ضرورت کا ترقی پذیر لائحہ عمل ہم مرتب کریں گے، اور ملت بیضا کو موجودہ پستی واضمحلال سے نکال کر عروج کی سب سے اونچی سطح پر پہنچادیں گے۔(واللہ علی مانقول وکیل)

مبلغین کی ضرورت اور تقسیم

ہم محسوس کریں گے کہ ملت بیضاء کو مبلغین کی شدید ضرورت ہے، علاوہ ازیں سیاست اور اقتصادیت اور معیشت میں بھی وہ ہماری رہنمائی کے بغیر موت کے کنارہ پر پہنچ چکی ہے۔

ہم مبلغین کو چند جماعتوں پر تقسیم کریں گے کیونکہ تبلیغ کے چند میدان بیک وقت نہایت اہمیت کے ساتھ ہمارے سامنے آئیں گے۔

(۱) مسلمانوں میں تبلیغ۔

(۲) غیر مسلم برادران وطن میں تبلیغ۔

(۳) بیرونی ممالک میں تبلیغ۔

ایک ہی شخص ہر ایک حلقہ میں تبلیغ نہیں کر سکتا، ہم طلبہ کی طبائع کا امتحان کریں گے، اور پھر طبعی مناسبت کے بموجب درجہ تکمیل میں ان کی تربیت کریں گے، اور سختی کے ساتھ دعوی ہمہ دانی سے نہیں روکیں گے۔

تقسیم کار کے اصول کا سختی سے پابند ہونا چاہئے

آج سیاست سے قطعاً غیر متعلق علماء کرام سیاسیات میں فتاوی صادر کر کے اپنی جماعت میں اختلاف وافتراق کا سبب بن جاتے ہیں اور اسی طرح سیاسیات میں منہمک ناقص الاستعداد حضرات اختلافی عقائد میں فیصلے صادر کر کے جماعت کے عقائد کو کمزور کر دیتے ہیں، ہمیں تقسیم کار کے اصول کا سختی سے پابند ہونا چاہئے اور درجہ تکمیل کے طلبہ کو اسی کا عادی بنائیں، تبلیغ کے لئے قرآن پاک کے اس کامیاب اصول کا لحاظ رکھنا اتنا ہی ضروری ہوگا جتنا کہ کامیابی کو ضروری سمجھا جائے گا۔

ارشاد ربانی ہے "وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ" واقفیت زبان کے ساتھ لازمی ہے کہ قوم کے عادات وخصائل، اس کے مزاج عقلی، اس کی تاریخ اور اس کی نفسیات سے مبلغ پوری طرح واقف ہو، ورنہ کامیابی محال ہے "وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡا اِلَيۡهِمۡ" (۱) غالباً اسی جانب اشارہ ہے۔

سفید فام اقوام کے دل سیاہ ہوتے ہیں

یورپ نے دعوت اسلام کو قبول نہیں کیا، اور یہی وہ براعظم ہے جہاں دعوت اسلام ناکام رہی حتی کہ صدہا سال اندلس میں شاندار حکومت کے بعد نہایت غداری اور سفاکی سے ایک ایک مسلمان کو ختم کیا گیا، تاریخ نے واضح کر دیا کہ سفید فام اقوام کے دل اتنے ہی سیاہ ہوتے ہیں کہ جتنا کہ وہ اپنی رنگت کے معبود باطل کے پرستار ہیں، سنگ سیاہ اگر آ بگینہ بن جائے تو

(۱) سورۂ توبہ آیت ۱۲۲۔

شایداس کی اصلاح بھی ہو سکے۔

زمین شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضائع مگردان

شاداب وزرخیز وادیوں کی تلاش

لہٰذا ہمیں وہ شاداب اور زرخیز وادیاں تلاش کرنی ہیں، جہاں تخم عمل بارآور ہو سکے، جزائرِ مشرق سے پھر ایک چشمہ ابل رہا ہے جیسا کہ چھ صدی پیشتر جب اسی گوشہ سے ایک سیلاب اٹھا تھا، اور ہر ایک دشت اور وادی کو تہہ وبالا کرتا ہوا جب بحیرہ اسلام میں جا کر گرا تھا، تو اگر چہ ایک مرتبہ سارے بحیرہ کو تہہ وبالا کر دیا؛ لیکن اسی جھکولے سے بحرِ اسلام میں ایک طوفان پیدا ہوا، کچھ وقفہ کے بعد دیکھا گیا تو سمندر کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں اور سیلاب کا نام ونشان بھی مشکل سے ملتا تھا۔

تبلیغ کے بعد دوسرا درجہ اسلامی سیاست کا ہے

آج بھی وہی قرآن ہے، وہی اسلام ہے، وہی زمین ہے، وہی آسمان ہے، وہی مشرق اور وہی مغرب ہے، پھر ناامیدی کے کیا معنی "لَاتَقْنَطُوْا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ، لَاتَيْئَسُوْا مِن رُّوحِ اللّٰهِ، اِنَّهُ لَايَيئسُ مِنْ رُوحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ" کسی قوم کی اصلاح کے لیے اسی قوم کے نوجوان، جواہر بے بہا ہیں، جس قیمت پر بھی میسر آجائیں ارزاں ہیں، تبلیغ کے بعد دوسرا درجہ اسلامی سیاست کا ہے جس کے لیے اسلام کے سیاسی نظریات کی پختگی اور پھر ان کے لئے جذبہ عمل وغیرہ کے ساتھ، یہ بھی ضروری ہے کہ اس مکروفریب اور دھوکے بازی وڈپلومیسی کے جس کا مرکز یورپ ہے اور جس کو آج کل سیاست کہا جاتا ہے، اصل خزانوں سے بھی براہ راست واقفیت ہو، تراجم کی حیثیت پوست سے زیادہ نہیں، حالانکہ کامیاب مدافعت کے لیے مغز کی ضرورت ہے۔

سیاست کی طرح یہ بھی لازم ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام کو دنیا کے سامنے رکھ کر ان تمام گتھیوں کو سلجھایا جائے جو آج ساری دنیا کو نمونہ جہنم بنائے ہوئے ہیں۔

اسلامی اصول پر عمل سلسلہ اقتصاد کی بہت سی الجھنوں سے نجات کا ذریعہ

اسلام کا اصول ہے کہ سونے کی بیع سونے سے چاندی کی بیع چاندی سے صرف اسی وقت جائز ہے جب دونوں ہم وزن ہوں، کمی بیشی اور ادھار حرام ہے، مجھے یقین ہے اور میرے ضمیر کو پورا اطمینان ہے کہ اگر صرف اسی اصول پر عمل کیا جائے تو سلسلہ اقتصاد کی بہت سی الجھنوں سے ساری دنیا نجات پا جائے، سکہ کی قیمت، سود، نوٹ، تبادلہ کی وہ صورتیں جن کو شریعت غراء نے 'ربوا' قرار دیا ہے، آج دنیائے انسانیت پر آگ وخون کی بارشیں برسا رہی ہیں اور ''یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا'' (۱) کا پر ہیبت نظارہ خرمن تمدن کو برق ہلاکت کی نذر کر رہا ہے۔

لیکن میں اپنے اس یقین واطمینان کی کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا، کیونکہ میں اقتصادیات کا ماہر نہیں:

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

قرآن پاک ''تِبْيَاناً لِكُلِّ شَئِي'' (۲) ہے، یقیناً اس کی مقدس تعلیم ان تمام گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے، لیکن اگر ہم اس علم سے ناآشنا ہیں، تو کیا یہ غلط ہے کہ پوری اسلامی جماعت ایک فرض کفایہ کی ادائیگی سے قاصر ہے، جو لامحالہ موجب گناہ ہے۔

مسلمان گریجویٹوں کا حال

علماء ملت پر دقیانوسیت کا الزام لگانے والے بھی افسوس یہ ہے کہ کوئی مفید کارنامہ ملت کے سامنے پیش نہیں کر سکے، اور بالخصوص مسئلہ اقتصادیات، اور ''کرنسی'' تو وہ پیچیدہ چیز ہے جس کا یا

(۱) سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۷۶۔ (۲) سورۂ نحل آیت نمبر ۸۹۔

توضیح علم ہندوستانیوں کو بتایا نہیں جاتا اور یا اس فن سے مسلمان گریجویٹوں کے پتے جلتے ہیں کیونکہ وہ حساب وریاضی میں عموماً کمزور ہوتے ہیں، انہیں صرف انہیں ناتمام اور لغو چیزوں سے شغف ہوتا ہے، جوان کی اسلامی تہذیب، آبائی توقیر اور خاندانی کلچر کو برباد کردے، اور وہ ان چیزوں کے پاس بھی نہیں پھٹکتے جوملت کے لیے مفید ہوسکیں، الا ماشاء اللہ۔

درجہ تکمیل کا اہم اور مقدم مقصد

بہر حال وہ جو کچھ بھی کریں ہمارے لئے عذر نہیں ہوسکتا، کیونکہ ملت کی ذمہ داری بانی ملت نے ان اغراض پرستوں اور ضمیر فروشوں کے سر نہیں ڈالی، یہ فریضہ تو صرف علماء امت ہی پر عائد ہوتا ہے کیونکہ وہی وارث انبیاء علیہم السلام ہیں۔

تبلیغ، سیاست اور اقتصاد کی تعلیم کے ساتھ درجہ تکمیل میں اس اہم ترین مقصود کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، جو بعثت رحمۃ للعالمین کا اصل منشاء ہے، یعنی مکارم اخلاق، ظاہر ہے کہ روحانیت، اخلاق فاضلہ، ملکات قدسیہ بھی اصلی اور حقیقی مقاصد ہیں، اور جملہ علوم وفنون، آلات واسباب کے درجہ میں اور صرف اسی حیثیت میں وہ مستحق ثواب ہوسکتے ہیں، کہ ان کو ذریعہ تسلیم کیا جائے ورنہ وہ ''حجاب اکبر'' ہیں۔

لہٰذا درجہ تکمیل کا سب سے اہم اور سب سے مقدم مقصود، تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق اور روحانی ملکات کی تربیت ہونی چاہیئے، اور اسی نصب العین کو مدنظر رکھ کر اس درجہ کے پورے نظام کی تربیت ہونی ضروری ہے۔ واللہ الموفق وھو المعین

نواں باب

باقیات صالحات

باقیات صالحات

تمہید

باقیات صالحات میں بندے کے وہ کام شمار ہوتے ہیں جو اس نے صدقہ جاریہ کے طور پر اپنے پیچھے چھوڑے ہوں، اور اس میں حدیث پاک کی روشنی کے مطابق نیک صالح اولاد، علمی تصنیفات اور شاگردان رشید ہوا کرتے ہیں، ماشاء اللہ، اللہ تعالی نے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کو تمام ہی سے حصہ وافر عطا فرمایا کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے زائد ہے، آپ کی کتب اور تصنیفات بھی ستر سے زائد ہیں، اسی طرح جمعیۃ کی خدمات اور مدارس کی خدمات بھی آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں، پھر اللہ تعالی نے آپ کو نیک صالح اولاد سے بھی نوازا ہے، جن میں سے آپ نے وصال کے وقت چار بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑیں، اس طرح پسماندگان میں اولاد کے ساتھ اہلیہ کو بھی چھوڑا۔

اہلیہ محترمہ

آپ کی اہلیہ محترمہ نورالحق صدیقی صاحب کی صاحبزادی اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب مولانا معراج الحق صاحب صدیقی کی ہمشیرہ تھیں، ۱۹۸۷ء میں وصال ہوا، نیک، غمخوار، پڑوسیوں کی ہمدرد، مولانا سید محمد میاں صاحب کے انتہائی مشکل حالات میں گھر کو سنبھالے رہیں، اور کسی مالی پریشانی کی شکایت نہیں کی۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب

بیٹوں میں سب سے بڑے مولانا سید حامد میاں تھے، جنہوں نے تقسیم ہند کے بعد

پاکستان ہجرت کی، ۱۳۷۵ھ میں وہاں کے مشہور شہر لاہور میں اپنے شیخ کے نام پر جامعہ مدینہ قائم فرمایا، جو پاکستان کے مشہور مدارس میں شمار ہوتا ہے۔

آپ کے حالات کے سلسلہ میں مدرسہ شاہی کے سابق مہتمم مولانا سید رشید الدین صاحبؒ رقمطراز ہیں:

''حضرت مولانا سید حامد میاں کا شمار جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے ہونہار سپوتوں اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے لائق فرزندوں میں ہوتا ہے، آپ مشہور مؤرخ عالم بے بدل حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبدالحق مدنی مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے داماد اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد رشید تھے، علم وفضل، ورع وتقوی اصابت رائے ودور اندیشی میں امتیازی شان کے مالک تھے۔

ولادت اور تعلیم

علم وفضل کی بستی دیوبند میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور عہد طفلی مرادآباد میں بسر ہوا (جہاں آپ کے والد بزگوار حضرت مولانا سید محمد میاں زیب دہ مسند تدریس تھے اور خدمت قوم وملت میں مصروف تھے) ابتدائی تعلیم اردو تعلیم سے لیکر موقوف علیہ تک مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی، اور حدیث وفنون کی تکمیل دارالعلوم میں کی، حفظ کلام اللہ جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب مرحوم استاد مدرسہ شاہی سے اور فارسی کی کتابیں مولانا مستحسن الدین بجنوری مرحوم سے پڑھیں، اس کے بعد شوال ۱۳۵۹ء میں مدرسہ شاہی کے شعبہ عربی میں باقاعدہ داخل ہوئے اوء شعبان ۱۳۶۵ اء تک داخل درس رہ کر نحو وصرف، ادب فقہ اور معقولات وغیرہ کی درج ذیل کتابیں پڑھیں اور امتحانات میں اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے رہے، بعض کتابوں میں مجوزہ نمبر سے زائد بھی۔

نحو میر، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، شرح مأۃ عامل، مفید الطالبین، نفحۃ العرب، نور الایضاح،

تلخیص المفتاح ، میزان المنطق، کنزالدقائق ،صوان الادیب، شرح وقایہ، نورالانوار، قطبی تصدیقات، شرح تہذیب، ہدیہ سعدیہ، مرقات، حسامی ، میبذی، سلم العلوم، شمس بازغہ، توضیح تلویح، شرح عقائد جلالی ، شرح چغمینی تصریح، ہدایہ اولین، ہدایہ اخیرین مطول، مقامات حریری وغیرہ۔

مدرسہ شاہی میں جن اساتذہ علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا ان میں سے حضرت مولانا عبدالحق مدنی، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندی، حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلی اور حضرت مولانا عجب نور پشاوری رحمہم اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ کے رفقاء درس میں عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ جیسی شخصیات شامل ہیں۔

شوال ۱۳۶۵ھ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی، جامع المعقول والمنقول علامہ ابراہیم بلیاوی جیسی عبقری وقد آور شخصیات سے اکتساب فیض کیا، اور ۱۳۶۷ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس

فراغت تعلیم کے بعد اکابر شاہی کی نظر انتخاب نے اس درسگاہ نانوتوی کے لئے آپ کو منتخب کرلیا، چنانچہ شاہی میں آپ مسند تدریس پر فائز رہے، درس وتدریس کے ساتھ افتاء کے فرائض بھی انجام دئے، تقسیم ملک کے بعد نقل وطن فرما کر لاہور پاکستان منتقل ہوگئے اوراسی کو مسکن بنا کر خدمت کا جولان گاہ بنالیا، جہاں آپ نے ۱۳۷۵ء میں اپنے شیخ ومرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جامعہ مدنیہ قائم فرمایا جس کے تادم حیات آپ شیخ الحدیث اور مہتمم رہے، ہزارہا تشنگان علوم نبوت کو سیراب کیا، اس جامعہ نے چند ہی دنوں میں وہ مقام حاصل کرلیا جو کم ہی مدارس کو نصیب ہوتی ہے۔

بیعت وارشاد

تکمیل علوم وفنون کے بعد قطب عالم شیخ الاسلام حضرت مدنی سے تعلق ارادت وبیعت قائم کر کے راہ سلوک ومعرفت میں ایسی جان سوزی کے ساتھ محنت ومجاہدہ کیا کہ برسوں میں طے ہونے والی راہ طریقت سال بھر کی قلیل مدت میں طے کر لی اور بارگاہ مدنی سے خلعت خلافت سے سرفراز کر دیئے گئے، فطرت نے قلب مصفی سے نوازا تھا، خانقاہ مدنی نے اس کو مجلّٰی کر دیا، آپ کی زندگی میں مرشد مدنی کا رنگ اخیر عمر تک غالب رہا، ایک ایک عمل میں اپنے شیخ ومرشد کی نقل فرماتے تھے، اتباع سنت آپ کا وصف نمایاں تھا، فروتنی، خاکساری، تواضع، خوش خلقی اور جرأت حق میں آپ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے، حب جاہ، حرص، طمع، اقتدار، خود بینی خود رائی کا آپ کے پاس سے گزر نہ تھا، مداہنت کا دور دور نام ونشاں نہ تھا، آپ کے واقف کار حضرات کو بخوبی یہ بات معلوم ہے کہ آپ نے کبھی کسی معاملہ میں مداہنت گوارہ نہ کی، کتاب وسنت کی روشنی میں جس بات کو حق سمجھا علی الاعلان کہا، خلوص، سادگی، قناعت خودداری، تواضع، انکساری کے آپ مجسم پیکر تھے، آپ کی ذات پاکستان میں دارالعلوم کے مسلک جمعیۃ علماء کے مشن اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے دینی وسیاسی افکار کے ترجمان کی حیثیت رکھتی تھی، اسی لئے آپ کا دولت خانہ علماء کا قیام گاہ بن گیا تھا، خانوادۂ مدنی کے ایک ایک فرد سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا۔

مولانا مرحوم نے اپنے صاحبزادے مولانا محمود میاں سلمہ اور صاحبزادی رابعہ سلمہا کے عقد مسنون میں بطور خاص مجھے مع اہل وعیال شرکت کی دعوت دی اور خاص طور پر تحریر فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میری لڑکی رابعہ سلمہا کا نکاح تم پڑھاؤ، مولانا کے اصرار پر مع اہل وعیال پاکستان کے لئے یکم فروری ۱۹۸۸ء کو روانہ ہوئے اور پاکستان کے پورے زمانہ قیام میں آپ کے خانہ پر ہی قیام رہا، کسی جگہ ٹھہرنے کی اجازت نہ ملی، البتہ جہاں جانا ہوا آپ

ہی کے یہاں جانا ہوا۔

تقریبات مسنونہ نکاح وولیمہ میں شرکت کرکے ویزہ ختم ہونے پر یکم مارچ ۱۹۸۸ء کو روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو مولانا مجھ سے لپٹ گئے اور فرمانے لگے کہ بھئی دو چار دن اور قیام کرو اور اپنی اس خواہش کا بار بار اظہار فرمایا، مزید ٹھہرنے کی ضرورت محسوس نہ کرکے معذرت کرکے مولانا موصوف سے اجازت حاصل کرلی، چلتے وقت نمناک آنکھوں کے ساتھ مصافحہ ومعانقہ فرمایا، ۲؍مارچ کو مرادآباد پہنچا ۳؍مارچ کی شام کو ٹیلی فون کے ذریعہ معلوم ہوا کہ بعد نماز ظہر اختلاج قلب کا شدید حملہ ہوا اور اسپتال میں داخل ہیں، ۴؍مارچ ۱۹۸۸ء کو ریڈیو پاکستان نے یہ اندوہ ناک خبر سنائی کہ اختلاج قلب کے شدید حملے کی تاب نہ لاکر دار فانی سے دار جاودانی کو چل بسے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس جانکاہ حادثہ نے دل کو دہلا دیا کافی دنوں مرحوم کا تصور ذہن میں مرکوز رہا اور رہ رہ کر مرحوم کے دو چار دن مزید ٹھہرنے کا اصرار یاد آتا رہا، مولانا کی فرمائش کی تعمیل نہ کرنے کا آج تک افسوس ہے۔ ع

خدا رحمت کرے اس صادق پاکیزہ طینت پر(۱)

ماشاء اللہ مولانا کے سب صاحبزادگان حفاظ قرآن واصحاب علم ہیں، اور دین کی خدمت میں مشغول ہیں۔

حافظ سید خالد میاں صاحب

مولانا کے دوسرے بیٹے حافظ سید خالد میاں تھے، ابتدائی عمر میں حفظ قرآن اور بنیادی تعلیم مرادآباد میں حاصل کی، دہلی منتقل ہونے کے بعد تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا، مختلف امتحانات پاس کئے، لیکن مطالعہ کے شوق نے جس میں انگریزی کی مختلف موضوعات پر کتابیں بھی شامل تھیں، عام معلومات میں بہت اضافہ کیا تھا، انگریزی کے بعد مزید شوق

(۱) تاریخ شاہی نمبر ۵۶۳۔

سے جرمنی زبان میں دلچسپی ہوئی، اور دہلی کے میکس مولر بھون سے جرمنی زبان کا کورس کیا، جس کی بنیاد پر جرمن جانے کا موقعہ ملا، جہاں وہ تقریباً تیس سال رہے، جرمنی جانے سے پہلے والد محترم کی مشہور تصنیف ''علماء حق اور ان کے کارنامے'' کی اشاعت کے ساتھ طباعت ونشریات کا کام ''کتابستان'' کے نام سے ۱۹۵۸ء میں شروع کیا، نماز کے بارے میں ایک کتاب جدید انداز میں ترتیب دی، اور نہایت عمدہ کتابت اور دورنگی طباعت کے ساتھ ۱۹۶۳ء میں شائع کی، جو بہت مقبول ہوئی اور پچاس سال سے مسلسل شائع ہورہی ہے، ان کے وسیع مطالعہ اور معلومات اور اعلی ذوق کی وجہ سے کتب خانہ کا کام اعلی پیمانہ پر چلا، ۱۹۶۳ء میں جرمنی سے وظیفہ ملنے کے بعد جرمنی (میونخ) کا سفر کیا، جہاں کمپیوٹر پروگرامنگ میں مہارت حاصل کی، اور کچھ عرصہ اپنی کمپنی (سمینس) کی طرف سے سعودی عرب میں بھی رہے، جرمنی کے قیام کے دوران والدین سے ملنے کئی مرتبہ آئے، اور ان کی وفات کے بعد بھی، ۱۹۹۳ء میں رمضان المبارک کا آخری عشرہ دہلی میں گزارنے کے ارادہ سے آئے، عشرہ آخر کی دو دن تراویح میں شریک ہوئے، پھر اچانک دل کا دورہ پڑا، اور ۲۹/رمضان المبارک کی شب میں سفر آخرت پر روانہ ہوگئے، عیدالفطر سے ایک روز پہلے دہلی میں والد صاحب کے قدموں میں تدفین ہوئی۔

مولانا سید ساجد میاں صاحب

تیسرے بیٹے مولانا سید ساجد میاں صاحب ہیں، جن کی پیدائش مرادآباد میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ شاہی میں حاصل کی، پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری سے فراغت پائی، وہ سعودی سفارت خانہ دہلی میں ادارۃ المحاسبہ میں ملازم ہیں، ذاکر وشاغل، اپنے معمولات کے پابند اور بہت سی خصوصیات کے حامل عالم دین ہیں، طبیعت میں سادگی ہے، ورع وتقوی جیسی صفات حمیدہ سے متصف ہیں، خالد میاں صاحب مرحوم کا قائم کردہ کتابستان ان کی نگرانی

میں ہی چل رہا ہے، اس کتاب بھی میں مولانا کا تعاون رہا ہے، راقم کے غریب خانہ پر دومرتبہ تشریف بھی لائے ہیں، مجھے بھی کئی مرتبہ مولانا کے یہاں مہمان بننے کا موقع ملا ہے، اللہ تعالی آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے۔

سید شاہد میاں صاحب

چوتھے بیٹے سید شاہد میاں صاحب ہیں، جن کی پیدائش دہلی میں ہوئی، وہیں تعلیم وتربیت ہوئی اور عصری تعلیم حاصل کی، پھر سعودی عرب چلے گئے، اور تقریباً دوسال قیام کے بعد دہلی آ گئے، اب دہلی میں کمپیوٹر سائنس کے شعبہ میں ملازم ہیں۔

مولانا کی تین بیٹیاں

مولانا کی تین بیٹیاں ہیں: ایک سیدہ خالدہ جنہوں نے دہلی میں تعلیم وتربیت حاصل کی، مولانا قاری سید عالم صاحب مظفر نگری سے شادی ہوئی، جو دارالعلوم دیوبند کے شعبہ حفظ کے استاد ہیں، لیکن ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں۔

دوسری بیٹی سیدہ عائشہ ہے، جن کی شادی مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی ابن مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے دیوبند میں ہوئی، جن کے یہاں چار اولاد ہیں۔

تیسری بیٹی سیدہ صبیحہ ہے، جن کی شادی جناب بذل الرحمٰن صاحب ابن مولانا فضل الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے ہوئی، جو دہلی میں سرکاری ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے، ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔

اللہ تعالی حضرت مولانا کے خاندان کو جاری وساری اور پھلتا پھولتا رکھے اور اپنے دین کی خدمت کا کام لے لے۔

دسواں باب

مکتوبات

مکتوبات

ہمیں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی کے ۵۰؍خطوط ملے ہیں، جن میں سے ۱۱؍تو حضرت مولانا قاضی طہر مبارک پوریؒ کے نام ہیں، ۳۳؍ خطوط پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری ایم اے، کے نام ہیں، اور ۳؍ جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے نام، اور تین دیگر حضرات کے نام، ان کو بالترتیب نقل کیا جارہا ہے۔ (مؤلف)

بنام مولانا قاضی عبدالحفیظ اطہر صاحب مبارکپوری

مولانا قاضی محمد اطہر مبارک پوری بڑے مؤرخ گزرے ہیں، وہ مولانا محمد میاں صاحب کے مدرسہ شاہی کے زمانہ کے شاگرد رشید تھے، مولانا نے ان کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان کی سطر سطر سے مولانا کی خردنوازی، عجز وانکساری اور علم دوستی کا پتہ چلتا ہے، یہ خطوط ماہنامہ ندائے شاہی کی خصوصی اشاعت تاریخ شاہی نمبر بابت نومبر ؍دسمبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئے:

(۱) جمعیۃ علماء ہند دہلی، ۵؍ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۹۶۸ء۔

محترم قاضی صاحب ......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ سے کئی روز ہوئے مشرف ہو چکا تھا، مگر کتابیں آج پہنچیں (۱) مبارک باد

(۱) رجال السند والہند ''طبع ممبئی'' کے نسخے۔

قبول فرمایئے، اللہ تعالی آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور یہ خود آپ کے لئے بھی ہر طرح نافع ہو اور اہل علم کے لئے بھی۔ آمین

مولانا فارقلیط صاحب کے نام کی کتاب ان کی خدمت میں بھیج دی ہے، اور اگرچہ وہ خود آپ سے قلبی تعلق رکھتے ہیں مگر پھر بھی احقر نے بہتر تقریظ کی سفارش کردی ہے، ان کی تقریظ اسی سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوجائے گی جو ۲۶ ریا ۲۷ / اکتوبر کو شائع ہوگا، اس کے بعد احقر بھی اتباع واقتداء کی کوشش کرے گا، مکرر مبارکباد عرض ہے، احباب اور رفقائے حاضرین کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

نیازمند

محمد میاں

(۲) دہلی، ۲۸ / جمادی الثانیہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۶ / نومبر ۱۹۶۳ء

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری

محترم مولانا صاحب......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

خدا کرے آپ بخیریت ہوں، عرصہ ہوگیا ملاقات نہیں ہوئی، اس وقت ایک تکلیف دے رہا ہوں، احقر مدرسہ شاہی مراد آباد کے سالانہ جلسہ میں مراد آباد گیا تھا، فتحپوری لائبریری سے شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''تدریب الراوی'' مستعار لے رکھی تھی، واپسی کے وقت راستہ میں اس کا مطالعہ کرتا رہا، کئی اقتباسات بھی نقل کئے، جب شاہدرہ سے گاڑی گزری تو سامان درست کرنے کے لئے کتاب اوپر تختہ پر رکھ دی، پھر سامان کے خیال میں ایسا محو ہوا کہ کتاب یاد نہ رہی، جب مکان پر پہنچ کر پھر باقی حصہ کے مطالعہ کا خیال آیا تو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا، اور سخت صدمہ ہوا، اب یہ کتاب لائبریری کو دینی ہے، کتاب کی

قیمت سے لائبریری والے مطمئن ہو سکتے ہیں، مگر خود احقر کو اطمینان اسی صورت میں ہوگا کہ کتاب ہی دی جائے، مہربانی فرما کر آپ یہ کتاب تلاش کریں، اور بہتر تو یہ ہے کہ دو نسخے احقر کے نام وی پی کر دیں، ورنہ ایک تو لامحالہ فراہم ہونا چاہئے، جو قیمت بھی ہو، احقر ادا کر دے گا، احقر اس لائبریری کا چیئرمین بھی ہے، اس لئے اور بھی زیادہ ذمہ داری کا احساس ہے، اور ناکامی میں بہت ندامت ہوگی، متن امام نووی کا ہے، اس پر شرح شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے، جس کا نام ''تدریب الراوی'' ہے۔

خالد میاں سلمہ سے آپ واقف ہیں، ان کو جرمنی پڑھنے کا شوق ہوا، تین سال جرمنی زبان پڑھی، یہاں جرمنی سفارتخانہ میں اس کی کلاس ہوتی ہے، اس سال ان کو جرمنی جانے کا اسکالرشپ مل گیا، لہٰذا ۵ر نومبر کو وہ جرمنی روانہ ہو گئے، مگر نہ ہوائی جہاز سے نہ بحری جہاز سے بلکہ بس کے ذریعہ، جو غالباً لندن سے آئی ہوئی تھی، آج کل ایران میں ہوں گے، ایران سے ترکی، پھر بلغاریہ وغیرہ، اللہ تعالیٰ خیریت سے پہنچائے، دماغ پر اس کا اثر بھی ہے، باقی اور کیا عرض کروں، جواب کا منتظر۔

نیاز مند محتاج دعا، خادم قدیم

محمد میاں عفی عنہ

(۳) الجمعیۃ بک ڈپو قاسم جان اسٹریٹ دہلی

۷ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

مطابق ۱۴ر دسمبر ۱۹۷۲ء

محترم مولانا زادت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں، ابھی ''صدق جدید'' مورخہ ۸ر دسمبر میں فتاوی

عزیزی(۱) قلمی کے متعلق آپ کا بیان نظر نواز ہوا، مختصر یہ کہ الجمعیۃ بک ڈپو اس کو طبع کرائے تو آپ کی شرائط کیا ہوں گے، جواب سے جلد مطلع فرمائیے۔ والسلام

نیاز مند

محمد میاں

(۴) الجمعیۃ بک ڈپو قاسم جان اسٹریٹ دہلی

۲۲/ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۹/دسمبر ۱۹۷۲ء

محترم مولانا......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

خلاف توقع اپنے عریضہ کے جواب سے بہت جلد مشرف ہو گیا، جزاکم اللہ، وہ صاحب ذوق ذی استعداد فاضل ہیں، تعجب ہے، انہوں نے اقوال اکابر اور افعال زریں شائع کئے اور اس متاع گرانمایہ کو طشت از بام نہیں فرمایا، غالباً اس لئے کہ گراں مایہ ہے مگر متاع علم تو انفاق ہی کے لئے ہے، اس میں تقتیر واحتکار نا جائز، یہ حکم آپ پر بھی نافذ ہوتا ہے، لہٰذا آپ دونوں کا فرض ہے کہ پہلی فرصت میں ان کی اشاعت کا اہتمام کریں، دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا جائے، فرق ہو تو ظاہر کر دیا جائے، یہ آپ دونوں کی بڑی خدمت ہوگی، اتنا تعاون احقر بھی کرے گا کہ الجمعیۃ بک ڈپو کے ارباب بسط وکشاد کو متوجہ کرے گا کہ معقول تعداد میں اس کے نسخے خرید لیں اور روزنامہ الجمعیۃ میں اس کی تشہیر کریں۔

کنونشن میں حاضری سے معذور رہا، زیادہ تر اپنے عوارض کا باعث کہ چلنا پھرنا اور سفر

(۱) فتاوی عزیزیہ کا کچھ حصہ میرے ننھیال میں تھا، مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب بنارسی کے کتب خانہ میں اس کا ایک کامل ومکمل نسخہ نہایت خوشخط ہے، اس کی اشاعت کے لئے ''صدق جدید'' میں مراسلہ شائع ہوا تھا، بعد والے مکتوب میں مولانا ابراہیم صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد اسحاق صاحب بنارسی کی کتاب ''کلمات اکابر'' کا ذکر ہے، اور یہ کہ وہ اور میں فتاوی عزیزی کے نسخوں کا مقابلہ کریں۔

کرنا بہت مشکل ہوگیا، اور کچھ اس لئے کہ کنونشن کا منشاء مشتبہ رہا، لہٰذا یکسوئی کو بہتر سمجھا۔

والسلام

نیاز مند محتاج دعا

محمد میاں

(۵) ۲۰ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۴ اپریل ۱۹۷۳ء

محترم مولانا مبارک پوری صاحب...... دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

رجسٹر پارسل کے ذریعہ ایک کتاب ''سیرت مبارکہ'' ارسال خدمت ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں، پھر تنقید تحریر فرما کر اپنے اخبار میں شائع کریں، یا تقریظ، اس کو آپ تبصرہ کا عنوان بھی دے سکتے ہیں، پھر جس پرچے میں شائع ہو، احقر کے نام ارسال فرمادیں، تو نوازش ہوگی، ہمرشتہ اشتہار بھی ملاحظہ فرمالیں، اس سے تبصرہ کرنے میں سہولت ہوگی، کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا نہیں پڑے گا، اگرچہ درخواست یہ ہے کہ تبصرہ سے پہلے یا تبصرہ شائع کرنے کے بعد بالاستیعاب مطالعہ ضرور فرمائیں، اور غلطیوں سے احقر کو متنبہ فرمائیں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ ہمرشتہ اشتہار اخبار ''انقلاب'' میں بااجرت شائع کرادیں، دو مکمل کالموں میں یہ اشتہار آجائے گا، اجرت (بشرط رعایت) سے پہلے مطلع فرمائیں تو احقر بذریعہ منی بذریعہ منی آرڈر بھیج دے، یا بعد کو مطلع فرمائیں، احقر بھیج دے گا، الجمعیۃ میں یہ اشتہار دو کالموں میں شائع ہوا ہے، بشارت عظمیٰ کا اضافہ احقر کے قلم سے کیا ہے، وہ بھی شائع ہوگا، خیرت اور حالات سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ والسلام

نیاز مند محتاج دعا

محمد میاں

(۶) دہلی کتابستان گلی قاسم جان

۲۴/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۸/اپریل ۱۹۷۳ء

محترم مولانا مبارک پوری صاحب......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

''سیرت مبارکہ'' کا پارسل پہنچ چکا ہوگا، تبصرہ فرمائیے، عریضہ کے ساتھ اشتہار بھی بھیجا ہے کہ اخبار میں شائع کرادیجئے، جو اجرت ہوگی، احقر ادا کرے گا، رعایت کی ضرور رعایت رہے، اس اشتہار کے آخر میں مدارس عربیہ کے لئے اعلان ہے کہ صرف محصول ڈاک بھیجنے پر ان کو کتاب مفت دی جائے گی، اگر ابھی اشتہار شائع نہ ہوا تو یہ حصہ خارج کر دیجئے، کیونکہ فرمائشیں اتنی آ گئی ہیں کہ تعمیل کی گنجائش نہیں رہی، فرمائشیں مدارس عربیہ کی آئی ہیں، اس رعایت کی بنا پر، ورنہ اصل کتاب کے آرڈر ابھی پانچ بھی نہیں آئے، بہر حال یہ حصہ ضرور خارج فرمادیجئے، والسلام

نیازمند محتاج دعا

محمد میاں

(۷) ۱۹/رجب ۱۳۹۳ھ، مطابق ۱۹/اگست ۱۹۷۳ء

محترم مولانا......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

عزیز نامہ باعث مسرت ہوا، اور تبصرہ مستوجب شکریہ، جزاکم اللہ، دیر آید درست آید، مگر آپ نے استاذ محترم لکھ کر تبصرہ کا وزن کم کر دیا، استاذ کی تصنیف کی تو تعریف کی ہی جاتی ہے، بہر حال آپ کا تبصرہ باوزن ہے، پھر آپ نے خصوصیات تحریر فرما کر اشتہار بھی مفت

میں شائع کردیا، اوراس کا کوئی مطالبہ ہوسکتا ہےتو مطلع فرمائیے، تاکہ پیش کیا جائے۔

اچھا آپ کا ممبئ سے دل گھبرا گیا؟ اب کیا ارادہ ہے؟ وطن میں دل لگتا ہےتو کیا پارچہ بافی کا کارخانہ قائم کریں گے، یا مدرسہ احیاء العلوم میں تعلیمی اور تدریسی خدمت انجام دیں گے، اگرایسا ہوجائےتو ممبئ سے دل گھبراجانا مبارک، مگر شاید یہ بھی نہ ہوسکےتو پھر کیا؟ صرف مطالعہ کریں گے، یا مطالعہ کا کوئی حاصل بھی پیش کرسکیں گے؟

احقر کے ذہن میں آپ کے مناسب چند کام ہیں:

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف انڈیا، بہت بڑا کام ہے اوراگر وسائل مہیا ہوں تو حکومت سے اس میں امداد بھی مل سکتی ہے، مگر عربی اور فارسی کی واقفیت سے کام نہیں چلے گا، ہندی سے بھی واقفیت ہونی چاہیئے، اور انگریزی سے بھی، مگر کام بہت بڑا ہوگا، ہندوستان کی تمام اہم لائبریریوں کو کھنگھالنا پڑے گا۔

(۲) اگر یہ نہ ہوتو دوسرا کام ہے ''تاریخ مذاہب ہند'' یہ پہلے کے مقابلے میں آسان ہے، ابوریحان بیرونی کے ''الہند'' سے بہت مدد مل سکتی ہے، مگر کم ازکم ہندی کی واقفیت بھی اس میں ضروری ہے۔

(۳) تیسرا کام جوان کے مقابلے میں آسان ہے، وہ ''تاریخ علماء اور مشائخ ہند'' اس میں بہت مواد آپ کومل سکتا ہے، مگر یہ استیعاباً ہونا چاہیئے، اس میں اتنا اضافہ اور کرلیں اوران کے سیاسی وسماجی ماحول یعنی ''تاریخ علماء ومشائخ ہند، ان کے سیاسی اور معاشرتی ماحول اور خدمات'' علماء ہند کا شاندار ماضی'' اسی انداز پر مرتب کیا گیا ہے، مگر وہ صرف سلسلہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدود میں محدود ہے، وہ آپ کونمونہ کا کام دے سکتا ہے، مگر مبارک پور میں یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے، اس کے لئے بھی آپ کو قدیم کتب خانوں سے استفادہ کے لئے سفر کرنے پڑیں گے، تب وہ قابل قدر چیز ہوگی، تینوں کام کے لئے جانفشانی اور ہمت مردانہ کی ضرورت ہے، کیا ممبئ میں کوئی گانٹھ کا پورا مل سکتا ہے؟

تقریباً ایک ماہ ہوا بواسیر کا شدید دورہ ہوا، کم از کم دو بوتل خون نکل گیا، چلنا پھرنا مشکل ہوگیا، مگر الحمدللہ قلم چلتا رہا، چند روز کے علاوہ سلسلہ درس بھی جاری ہے، الحمدللہ، بخاری شریف کی پریشانی ہے۔ والسلام

قدیم دعا گو محتاج دعا

محمد میاں

(۸) ۱۹۷۴ء کتابستان گلی قاسم جان دہلی

عزیز محترم مولانا اطہر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

صدق جدید، مورخہ ۲۵/نومبر آپ کی جدید تصنیف ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' پر تبصرہ پڑھا، مسرت ہوئی، مگر یہ بھی خیال ہوا کہ آپ پر اخفائے وارادت کا جرمانہ کیا جائے، آپ اپنی ہر ایک تصنیف احقر کے نام بھیجا کرتے ہیں، یہ تصنیف آپ نے نہیں بھیجی، تکلیف کی ضرورت نہیں ہے، وی، پی کر دیجئے، نوازش ہوگی، خدا کرے، آپ ممبئی ہوں، اور یہاں بھی قیام طے کر رکھا ہو، والسلام

نیاز مند محتاج دعا

محمد میاں

(۹) ۲۹/ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ، مطابق ۲۲/مئی ۱۹۷۴ء

محترم قاضی صاحب...... دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۲۴/ربیع الاول نے جس ہدیہ مبارکہ کی بشارت دی تھی، ''خلافت

راشدہ اور ہندوستان'' اس سے مشرف ہوا، پھر دفعتہً ایک اور علمی ہدیہ نے شاد کام کیا یعنی ''جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول'' دونوں ہدیہ بیش بہا، گرانقدر، مستحق صد شکر یہ و ہزار تحسین وآفریں، احقر فرصت کا منتظر ہے کہ دونوں کا از اول تا آخر مطالعہ کر لے اور پوری طرح مستفیض ہو، آج کل کچھ ایسے پیچ در پیچ مشاغل در پیش ہیں کہ یہ عریضہ بھی کئی روز کے وقفہ کے بعد لکھ سکا، بہر حال ان ہدیوں پر آپ کا بھی اور صاحبزادہ عزیز کا بھی بہت بہت شکریہ۔ جزاکم اللہ تعالی

نیاز مند محتاج دعا

محمد میاں

(۱۰) رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۶/جولائی ۱۹۷۴ء

محترم مولانا......زادت مزایاکم

مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۸/جولائی میں جو بشارت دی گئی تھی، بفضلہٖ تعالی وہ پوری ہوگئی، عزیزم ظفر مسعود صاحب نے تینوں کتابیں بھیج دیں اور احقر کو موصول ہوگئیں، ''اسلامی ہند کی عظمت رفتہ'' ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں اور ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' کیا ہدیہ میں صرف جزاک اللہ کافی ہے، صرف جزاک اللہ پر قناعت مناسب نہیں، اجازت دیجئے کہ قیمت پیش کرسکوں۔

آپ کو شکایت تھی کہ آپ کو درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا، یہ شکایت شاید ہلکی ہوگئی ہو، آپ کو ممکن ہو اس کا احساس نہ ہو، مگر مجھے تو بڑی خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی کا جو مضمون ''عربوں کے عہد میں سندھ میں علم وادب'' ماہ جولائی کے ''برہان'' میں شائع ہوا، ڈاکٹر صاحب نے اس میں آپ کی تصنیف سے استفادہ کیا ہے، او رعلامہ بلاذری، ابن اثیر، اور ابن بطوطہ جیسے مشاہیر کے ناموں کے ساتھ آپ کا نام نامی بھی حوالوں میں درج کیا ہے، اللہم زد فزد

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو، تینوں کتابیں محفوظ ہیں، اب ان سے استفادہ کے لئے فرصت کا انتظار ہے۔

نیاز مند محتاج دعا

محمد میاں

(۱۱) جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۰ /جولائی ۱۹۷۴ء

محترم مولانا......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

احقر پر ہدیہ علمی ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' کا شکریہ واجب تھا، ''شجرۂ مبارکہ'' نے دوسرا شکریہ لازم اور واجب بلکہ فرض کر دیا ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' کو احقر نے از اول تا آخر پڑھا، بہت محظوظ ہوا اور اس نے اس سلسلہ کی باقی تصنیفات ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' ہندوستان میں عربوں کی حکومت'' اسلامی ہند کی عظمت رفتہ'' کے مطالعہ کا بھی شوق پیدا کر دیا، اللہ تعالی توفیق عطا فرمائے۔

ماشاء اللہ اس سلسلے میں آپ کو عبقریت حاصل ہے، معلومات با حوالہ اور تاریخ کے ساتھ جغرافیائی معلومات کا دامن بھی وسیع، ماشاء اللہ، وبارک اللہ، اللھم زد فزد، مگر ایک گزارش قابل توجہ ہے کہ آپ نے نقل روایات میں امام بخاری کا طرز اختیار کیا ہے، مثلاً مکران وقندابیل وغیرہ کے سلسلے میں حکم بن ابی العاص کی تحقیق کا جہاں بھی ذکر آیا، پورا قصہ نقل کر دیا، اس سے مضامین میں تکرار ہو گیا، اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، باقی دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کو بیش از بیش توفیق بخشے، اور آپ کے اخلاف آپ کے صحیح جانشین اور خدا کرے آپ سے بالا اور برتر ہوں، آمین

مخالفین بیت المال کا قتل احقر کے خیال میں سبائیوں کا فعل ہے اور اس کو حضرت طلحہ، حضرت زبیر و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیا، فی الواقع المیہ بن گیا، اس کی تحقیق ہونی چاہئے، یہ واقعہ کب ہوا؟ جنگ جمل زیادہ عرصہ نہیں چلی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس جنگ کے دن شہید ہو گئے، وہ کوفہ یا بصرہ کب گئے؟ احقر کے پاس کتابیں نہیں ہیں، دہلی کے کتب خانوں میں بھی زیادہ کتابیں نہیں ہیں، صرف بلاذری، ابن سعد، البدایہ والنہایہ وغیرہ چند کتابیں ہیں، آپ نے سب کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، آپ کا مطالعہ وسیع ہے، اس معاملے کی تحقیق کیجئے۔ والسلام

نیاز مند محتاج دعا

محمد میاں

بنام جناب پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری ایم اے

جب ۱۹۵۷ء میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو پورے سو سال ہوئے، تو اس تحریک کا جشن صد سالہ منایا گیا، مصنفین و مورخین نے ۱۸۵۷ء کے موضوع پر مختلف کتابیں اور رسالے لکھے، اسی تعلق سے ۱۹۵۶ء سے مولانا محمد میاں صاحب کا پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا، آغاز خط و کتابت خود مولانا مرحوم نے فرمایا اور یہ سلسلہ کم وبیش بارہ سال رہا، پہلا خط ۲۸/ جولائی ۱۹۵۶ء کا اور آخری خط ۷/ اکتوبر ۱۹۶۸ء کا ہے، کل ۳۳/ خط مل سکے۔

ان خطوط سے مولانا کے علمی شغف اور اعلی اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے، مکتوب الیہ محمد ایوب صاحب نے ان پر مختصر سے حواشی بھی لکھ دئے ہیں، یہ خطوط ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک کے فروری ۱۹۷۹ء کے شمارے میں شائع ہوئے ہیں۔

(۱) مکرم ومحترم......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج عالی! جناب محترم قاری محمد بشیر الدین (۱) صاحب شاہجہاں پوری کے ذریعہ سے غائبانہ تعارف کی مسرت حاصل ہوئی۔

۱۹۵۷ء قریب ہے جب کہ سو سال پہلے کے شہدائے حریت کی یادگار منائی جائیگی، ظاہر ہے کہ اس سعادت پر مسلمان کسی سے پیچھے نہیں رہے، مگر ۱۸۵۷ء کے ہولناک نتائج نے کچھ اس درجہ پس ماندگان کو مرعوب کر دیا تھا کہ اپنے بزرگوں کے کارنامے دہرانے یا شائع کرنے کی بجائے ان کو چھپانے یا بسا اوقات انکار کرنے پر مجبور ہوتے رہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تدوین وترتیب کے سلسلے میں آج ہمارا دامن تقریباً خالی ہے، البتہ متفرق طور پر یہ موتی بکھرے ہوئے ضرور ہیں اور کچھ خاندانی روایتوں کی حیثیت میں محفوظ ہیں۔

ہر صاحب ذوق سے اور اسی طرح قاری صاحب موصوف کی خدمت میں اپیل پیش کی گئی کہ اس سلسلہ میں جو کچھ معلومات ہوں وہ قلم بند فرما کر عنایت فرما دیں تو ۱۹۵۷ء کے آغاز ہی میں یا اس سے بھی پہلے ان کو شائع کر دیا جائے، قاری صاحب موصوف سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ بھی اس سلسلہ میں دلچسپی لے رہے ہیں، لہٰذا یہ درخواست آپ کی خدمت میں بھی پیش ہے، اور یقین ہے کہ آپ اس کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ والسلام

۲۸/ جولائی ۱۹۵۶ء

(۲) محترم قادری صاحب......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! اسی وقت جناب کے دو گراں قدر علمی ہدیوں سے سرفراز ہوا، تذکرہ مولانا

(۱) قاری بشیر الدین پنڈت ایم اے بدایونی ثم شاہ جہاں پوری مشہور مصنف ہیں، تاریخ پران کی ایک اعلیٰ تصنیف ہے۔

فیض احمد(۱) صاحب بدایونیؒ مطبوعہ اور مسودہ تذکرہ مولانا کفایت علی کافی شہید مرادآبادیؒ۔

اس خصوصی عنایت کا بہت بہت شکریہ، جزاءکم اللہ! احقر عنقریب تبصرہ لکھ دے گا، مولانا کافی شہید کے تذکرہ کے متعلق بھی کوشش کرے گا کہ ''آزادی نمبر'' میں گنجائش نکل سکے، مگر چونکہ صرف ۲۰/صفحہ کا پرچہ ہوگا، اتنی گنجائش شاید نہ نکل سکے گی، تو انشاءاللہ سنڈے ایڈیشن میں بالاقساط شائع کیا جائیگا(۲) کاش یہاں کسی طرح مطبوعہ کتابیں بھی پہنچ سکیں تو مضمون کے آخر میں اس کا بھی اعلان کرایا جاتا۔

بہرحال اس ہدیہ گرامی کے شکریہ کے لیے یہ عریضہ ارسال ہے۔والسلام

۶/اگست ۱۹۵۶ء نیازمند محمد میاں

(۳) محترم ومکرم دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۴/اگست سے مشرف ہوا، توجہ فرمائی کا شکریہ، جناب نے چند نام (۳) لے کر اور شوق پیدا کر دیا، اب اس کو پورا فرمائیے، واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۵۷ء میں صدسالہ یادگار منائی جارہی ہے، اس سے پیشتر ضرورت ہے کہ جتنے شہداء اور مجاہدین کے حالات مرتب ہوسکیں شائع کردئے جائیں، یہ اشاعت جمعیۃ علماء ہند، جمعیۃ علماء صوبہ یوپی کی طرف سے ہوگی۔

اور اس وقت یہ سلسلہ جمعیۃ کے سنڈے ایڈیشن میں جاری ہے، یعنی جو حالات کوئی صاحب قلم بند کر کے بھیجتے ہیں، وہ سنڈے ایڈیشن میں شائع کردئے جاتے ہیں، اگر اجازت

(۱) خاکسار محمد ایوب قادری نے مئی ۱۹۵۷ء میں ایک مختصر سی کتاب اس عنوان سے لکھی اور شائع کی تھی، یہ میری پہلی کتاب تھی۔

(۲) یہ مضمون ''الجمعیۃ دہلی'' کے سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوا تھا۔

(۳) خاکسار نے جنگ آزادی کے مجاہدین کے بہت سے نام لکھ کر بھیج دئے تھے کہ ان کے حالات بھیجے جاسکتے ہیں۔

ہوتو سنڈے ایڈیشن جناب کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کردیا جایا کرے، جناب کا عطیہ بھی پہلے سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوگا، پھر مستقل کتاب کا جز بن کر، انشاء اللہ

والسلام

۱۶/اگست ۱۹۵۶ء
محمد میاں عفی عنہ

(۴)

محترم المکرّم دام لطفکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۲۷/اگست میں شہدائے ۱۸۱۶ء، ۱۸۱۷ء کے متعلق جو وعدہ کیا گیا تھا، اس کے ایفاء کا انتظار ہے، امید ہے کہ سنڈے ایڈیشن روزنامہ الجمعیۃ ملاحظہ عالی سے مشرف ہورہا ہوگا۔ والسلام

نیازمند

۲۵/ستمبر ۱۹۵۶ء
محمد میاں

(۵)

محترم المکرّم دام لطفکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ سے مشرف ہوا، رجسٹری لفافہ بھی پہنچ گیا، شکریہ قبول فرمائیے، حسب مراتب پرچہ احتیاط سے واپس کردیا جائے گا۔

والسلام

۱۱/کتوبر ۱۹۵۶ء
نیازمند محمد میاں

(۶) محترم المقام دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

رسالہ العلم رجسٹری کے ذریعہ موصول ہوا، اور سابق گرامی نامہ کے بعد آج دوسرا گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا، اس نوازش وعنایت کا بے حد شکریہ، اور احقر کو بے حد ندامت ہے کہ ناگزیر حالات کی بناپر تاخیر ہوگئی، معاف فرمائیں۔

حضرت مولانا فیض احمد صاحب کے متعلق مضمون انشاء اللہ آئندہ سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوسکے گا، اس مرتبہ موقع نہیں مل سکا، علالت مزاج سے تردد ہے، خدا کرے اب طبیعت روبصحت ہو، نوازش کا مکرر شکریہ اور اپنی کوتاہی کی معذرت۔

والسلام

۹ر فروری ۱۹۵۷ء

مطابق ۸ر رجب ۱۳۷۶ھ

(۷) محترم ومکرم......دام ظلکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ سے مشرف ہوا، مولانا مفتی عنایت (۱) احمد صاحب کاکوری کے متعلق مضمون گذشتہ سے پیوستہ سنڈے ایڈیشن میں شائع ہو چکا ہے، غالبًا اس گرامی نامہ کے بعد وہ سنڈے ایڈیشن پہنچا ہوگا، احتیاطًا آج مکرر ارسال ہے۔

۱۰ر مئی کو یہاں صرف پیام وطن نے نمبر شائع کیا ہے، باقی اور رسالوں اور اخباروں نے غالبًا کوئی نمبر نہیں شائع کیا، یہاں سرکاری طور پر ۱۵ر یا ۱۴ر اگست کو ۵۷ء کی یادگار منائی

(۱) مفتی محمد عوض بدایونی ثم بریلوی نے ۱۸۱۶ء میں بریلی میں سب سے پہلے جہاد کیا تھا، پھر وہ ٹونک چلے گئے تھے، مفتی مرحوم نواب صدیق حسن خان قنوجی ثم بھوپالی کے حقیقی نانا تھے، راقم نے ان کے متعلق ایک تفصیلی مقالہ لکھا تھا، جو العلم کراچی میں شائع ہوا تھا۔

جائے گی، اسی وقت الجمعیۃ بھی اپنا نمبر شائع کرے گا، اس کے لیے جناب کی خدمت میں درخواست پیش کرنے کا ارادہ تھا، جناب نے خود ہی توجہ فرمائی، اب یہ درخواست اس وقت پیش کررہا ہوں کہ کوئی تازہ مضمون عنایت فرمائیے، نوازش ہوگی، کوئی تازہ مضمون ناممکن ہوتو آخری صورت یہ ہے کہ جن شہدائے حریت کے متعلق آپ اب تک لکھ چکے ہیں، ان کے مختصر مختصر حالات یکجا تحریر فرما دیجئے، تین چار کالموں کا یہ مضمون انشاء اللہ نیا ہی ہوگا۔

والسلام

۲۱/مئی ۱۹۵۷ء ۲۰/شوال ۱۳۷۶ھ

(۸) محترم المکرّم......دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

آج گرامی نامہ سے مشرف ہوا، احقر کو خود خیال تھا کہ اس مرتبہ مضمون پہنچنے کی اطلاع بھی نہیں دے سکا، اور مضمون شائع بھی نہیں کرا سکا، جناب کو تردد ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ احقر کے لیے یہ زمانہ غیر معمولی مصروفیت کا گزر رہا ہے، مضمون اس وقت آیا کہ آزادی نمبر شائع ہو چکا تھا، مضمون کے ساتھ ہی مکتوب بنام محمد میاں بھی ہے جو نجی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا بجنسہٖ اشاعت کے لیے نہیں دیا جاسکتا، کچھ اتفاق ایسا بھی ہوتا ہے کہ جمعرات کو جب احقر سنڈے ایڈیشن کے لئے مضمون دیا کرتا ہے، اکثر دہلی سے غیر حاضر رہا، بہرحال جناب کا مضمون محفوظ ہے، انشاء اللہ شائع ہوگا، جناب کی یہ شکایت بھی درست اور بجا ہے کہ ہر ایک مصنف اپنے ممدوح کے احترام اور ستائش میں اس درجہ منہمک ہوجاتا ہے کہ اور بزرگوں کو نہ صرف نظر انداز کرتا ہے بلکہ ایسا انداز اختیار کرتا ہے کہ ان کی تنقیص ہو، یہ ایک حقیقت ہے، اس کا خود احقر کو احساس ہے اس پر ناگواری کی کوئی وجہ نہیں۔

احقر اپنی دوسری مصروفیتوں کے سبب الجمعیۃ کے نظام عمل سے بھی قطعاً علیحدہ ہے، تاہم

کوشش کروں گا کہ سنڈے ایڈیشن جناب کی خدمت میں حسب دستور جاری ہے۔

والسلام

۲۸/اکتوبر ۱۹۵۷ء

مطابق ۴/ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

(۹) محترم ومکرم......دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! حضرت مولانا محمد مظہر صاحب اور حضرت مولانا محمد منیر صاحب کے حالات (۱) جو گرامی نامہ میں درج تھے، آج ان کو مرتب کر کے سنڈے ایڈیشن میں اشاعت کے لیے بھیج دیا ہے، خدا کرے صحیح شائع ہوں، مزید کی تلاش ہے جو شاندار (۲) جلد ۴/ کے لئے باعث زینت وباعث فخر ہوں گے۔

شاندار جلد دوم اور جلد سوم احقر نے اپنے طور سے طبع کرائی ہیں، بطور ہدیہ پیش ہیں، رسید سے مطلع فرمائیں، ان کے علاوہ اور جتنی مطبوعات ہیں ان پر احقر کا نام خواہ کسی عنوان سے اور خواہ کتنا ہی جلی ہو وہ احقر کی نہیں جماعتی ہیں اور جماعتی نظام کے موجب ان کی روانگی یا پیش کش ہوتی ہے۔

والسلام

۲۱/نومبر ۱۹۵۷ء

(۱۰) محترم المکرّم......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ کا جواب بہت ہی تاخیر سے پیش کر رہا ہوں، اس زمانہ کے حوادث بھی سخت رہے، بالخصوص حضرت شیخ الاسلام (۳) قدس اللہ سرہ العزیز کے سانحہ ارتحال نے ارادوں اور

(۱) مولانا محمد مظہر نانوتوی ومولانا منیر نانوتوی (۲) علمائے ہند کا شاندار ماضی مراد ہے (۳) مولانا حسین احمد مدنی۔

تمناؤں کی دنیا ہی ویران کردی، بہرحال فرمان قضا میں کسی کو دم مارنے کا موقع نہیں ہے، راضی برضا رہنا ضروری ہے، اللہ تعالی مشکلات حل فرمائے۔

تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ۲۵ر نومبر کا پرچہ جس میں حضرات علمائے تھانہ بھون (۱) کے متعلق جناب کا مضمون شائع ہوا تھا، احقر کے پاس نہیں تھا اور دفتر الجمعیۃ میں جا کر تلاش کرنے کی فرصت نہیں مل سکی، بہرحال آج تلاش کرنے کا موقع مل گیا، چنانچہ جناب کا مضمون والا پرچہ مورخہ ۲۵ر نومبر اور ایک اور سنڈے ایڈیشن ارسال خدمت ہے، دوسرے اس سنڈے ایڈیشن میں ۱۸۵۷ء کی یاد میں، ایک آخری مضمون احقر کی طرف سے ملاحظہ فرما کر رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔

والسلام

۳۱ر دسمبر ۱۹۵۷ء

(۱۱) محترم المقام......زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ کی تعمیل تو ہو چکی ہے یعنی سنڈے ایڈیشن جاری کر دیا گیا ہے، پہنچ رہا ہوگا، باقی امور کے متعلق تفصیلی جواب کی ابھی تک مہلت نہیں ملی۔

آج شیخ الاسلام نمبر کا ایک نسخہ بطور ہدیہ بذریعہ رجسٹری پیش خدمت ہے، رسید سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

والسلام

۴ر مارچ ۱۹۵۸ء

مطابق ۱۲ر شعبان ۱۳۷۸ھ

---

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔

(۱۲) محترم المکرّم......زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

۲۹/اپریل کے گرامی نامہ کے کے بعد کسی گرامی نامہ سے مشرف نہیں ہوا اور اس عرصہ میں احقر کو بھی عریضہ پیش کرنے کی توفیق نہیں ہوئی، اس وقت یہ عریضہ خاص مقصد سے پیش کر رہا ہوں۔

علمائے ہند بالخصوص ۱۸۵۷ء کے علمائے مجاہدین کے متعلق آپ کی معلومات بہت کافی اور مطالعہ ماشاء اللہ بہت وسیع ہے، ان حضرات کے حالات قلم بند فرماویں تو اشاعت کا انتظام (بشرط حیات) یہ احقر کر دے گا۔

جناب کے علم میں ہوگا کہ علماء ہند بالخصوص الف ثانی کے علماء احقر کا خاص موضوع ہے اور حافظہ اور مطالعہ احقر کے نقص کے باوجود جس قدر ممکن ہوسکا، خامہ فرسائی کی جسارت کی، مگر اب احقر کے حالات اتنے بدل چکے ہیں کہ اس موضوع پر لکھنے کی نہ فرصت رہی نہ ہمت، آپ کے لیے یہ بات چنداں مشکل نہیں ہے، متعدد حضرات کے حالات آپ تحریر فرما چکے ہیں، باقی کچھ اور ہیں توجہ فرمائیں تو کچھ مشکل نہیں، اور یہ ناتمام موضوع تمام ہو جائے گا، امید ہے کہ احقر کی اس درخواست پر توجہ فرمائی جائے گی۔

والسلام

۱۵/جون ۱۹۵۸ء

(۱۳) محترم المکرّم......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا، جناب نے جو ترتیب درج فرمائی ہے، مناسب ہے (۱)

(۱) مولانا نے اپنے پچھلے مکتوب میں جس کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے، غالباً میں نے اس کا خاکہ مرتب کر کے بھیجا تھا۔

صفحات کی کوئی حد نہیں، البتہ اختصار ملحوظ رہے اور تکرار سے بھی احتیاط فرمائی جائے، جناب کی تحریر خود ہی جامع اور مختصر ہوتی ہے، خدمات لائقہ سے سرفراز فرمائیں۔

والسلام

۸/جولائی ۱۹۵۸ء

مطابق ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ

(۱۴) محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصے سے خیریت نہ معلوم ہونے کے باعث احقر کو خود خیال تھا کہ عریضہ پیش کروں، مگر شفقت بزرگانہ نے شفقت کی جزاکم اللہ، الحمد للہ احقر بفضلہٖ تعالیٰ مع جملہ متعلقین بخیریت ہے ''العلم'' سے مشرف بھی ہوا اور مستفیض بھی، جزاکم اللہ، مولانا محمد احسن صاحب کے متعلق دوسری قسط کا انتظار ہے۔(۱)

شاندار ماضی وغیرہ سے یہ تجربہ ہوا کہ ایسی کتابیں علمی ذوق کی بنا پر شاذ ونادر نکلتی ہیں، البتہ جذبات اگر ہمنوا ہوں تو لاتعداد، لہٰذا مولانا محمد حسن صاحب نانوتوی کی سوانح مفصل کتاب کی شکل میں شائع کرنے سے پہلے اس کا لحاظ فرمالیا جائے۔

گرامی نامہ کے مطالعہ سے اپنی کوتاہی پر افسوس ہوا کہ اب تک آزاد نمبر نہیں پیش کیا جاسکا، آج بذریعہ بک پوسٹ رجسٹرڈ یہ نمبر ارسال کیا جاتا ہے، شیخ الاسلام نمبر جو گذشتہ سال شائع ہوا تھا وہ غالباً جناب کی خدمت میں بھیجا جاچکا تھا، اب مکرر وہ بھی ساتھ میں بھیجا جارہا ہے، اگر جناب کے پاس فاضل ہو تو کسی قدر دان ادارہ کو عنایت فرمادیجئے، گرامی نامہ سے ایک دوسرا شبہ یہ ہوا کہ مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب اور سید الطاف علی صاحب بریلوی کو بھی یہ دونوں نمبر بھیج رہا ہوں، غالباً آپ کی ان حضرات سے ملاقات ہوتی رہتی

(۱) احقر کی کتاب ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی، اور خدا کا شکر ہے کہ اس کتاب کو حسن قبول حاصل ہوا۔

ہوگی، ان کو کارڈ بھی لکھے ہیں، جناب سے ملاقات ہو تو سلام فرمادیں، خیریت سے گاہ گاہ مطلع فرما کر ممنون فرماتے رہیں، اور دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

والسلام

۱۸؍فروری ۵۹ء

مطابق ۹؍شعبان ۱۳۷۸ھ

(۱۵) محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۱۹؍مارچ پیش نظر ہے اور نادم ہوں کہ جواب میں اتنی تاخیر ہوئی کہ اب معذرت کرنا بھی عذر گناہ بدتر از گناہ معلوم ہوتا ہے۔

۲۰؍جنوری سے تقریباً اواخر اپریل تک سفروں کا سلسلہ رہا، اس وجہ سے ڈاک کا نظام درہم برہم رہا، اور اب تک سنبھل نہیں سکا، اس اثناء میں احقر الحکم کے مطالعہ سے مشرف ومحظوظ ہوا، مولانا محمد احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو کچھ جناب نے تحریر فرمایا وہ فی الحقیقت ریسرچ اور تحقیق کی بہترین مثال ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی جدوجہد مشکور ومقبول فرمائے؛ لیکن یہ سوال بہت پیچیدہ ہے کہ تجارتی نقطہ نظر سے بھی اس کی شناخت کتابی شکل میں نتیجہ بخش ہوسکتی ہے، احقر اس بارے میں پر امید نہیں ہے ممکن ہے کہ پاکستان کا ذوق کچھ بہتر ہو اور احقر کی مایوسی غلط ہو، اس کا اندازہ آپ فرماسکتے ہیں، بہرحال اس ذرہ نوازی کا بہت بہت شکریہ، کہ علمی ہدایا کے موقع پر جناب والا احقر کو یاد فرماتے رہتے ہیں جس کی بنا پر احقر کو بھی ناز کرنے کا موقع ملتا ہے: ع

بلبل ہمیں بس است......

۱۸؍مئی ۵۹ء — التفات عالی اور دعاؤں کا محتاج

(۱۶) محترم المکرّم ...... دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ عرصہ سے محفوظ ہے، مجھے شدید افسوس ہے کہ جواب میں غیر معمولی اور بے انتہا تاخیر ہوئی، جس کی بہت شرمندگی ہے، تاخیر کا باعث یہ کہ جواب کچھ حوصلہ افزاء نہیں ہے۔

مکتبہ برہان یا ندوۃ المصنفین ۱۸۵۷ء کے متعلق دو کتابیں شائع کر چکے ہیں، تیسری کتاب زیرِ اشاعت ہے، خاص ۱۸۵۷ء یا خاص فن تاریخ مکتبہ برہان کا مقصود اور موضوع نہیں ہے، ان حالات میں ان کے لیے حوصلہ افزا جواب دینا مشکل ہے، آپ نے یہ بھی تحریر نہیں فرمایا کہ کتاب کی ضخامت کتنی ہوگی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ندوۃ المصنفین کے ناظم اور مکتبہ برہان کے سرپرست ہیں۔

احقر نے ان سے ذکر کیا، مگر یہی دشواریاں انہوں نے پیش کر دیں، بازار کی حالت بھی یہ ہے کہ اردو خوان طبقہ دن بدن محدود ہوتا جا رہا ہے، ۱۹۵۷ء میں کس قدر جوش بیدار ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کچھ کتابیں نکل سکیں، مگر اب ۱۹۵۷ء کو بھی تین سال ہو رہے ہیں، بہرحال اگر جناب یہ تحریر فرمائیں کہ ضخامت کتنی ہوگی تو پھر ایک مرتبہ مفتی صاحب موصوف سے بات کروں، اور بہت ہی بہتر ہو کہ آپ براہ راست ہی خط تحریر فرمائیں (۱) اور مناسب صورت سے احقر کا حوالہ بھی دے دیں۔

پتہ یہ ہے

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

ندوۃ المصنفین، علاقہ جامع مسجد دہلی

۱۲ / جنوری ۶۰ء

(۱) خاکسار نے اپنی کتاب ''جنگ آزادی'' ۱۸۵۷ء کی اشاعت کے لیے لکھا تھا، یہ کتاب کراچی سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔

(۱۷) محترم ومکرم......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! گرامی نامہ سے مشرف ہوا، ابھی چند روز سے جناب کا خیال آ رہا تھا کہ عرصے سے کوئی خط نہیں آیا، آج نہ صرف خط بلکہ تشریف آوری کی خبر نے مسرور کیا، مگر افسوس ارشاد گرامی کی تعمیل سے قاصر ہوں۔

رسالہ تحقیق اراضی (۱) جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے کتب خانہ میں تھا، احقر نے اس سے ہی اقتباسات لئے تھے، اب یہ رسالہ اسی کتب خانہ سے مل سکتا ہے، صرف ایک نسخہ ہے، یہ عرض کرنا مشکل ہے کہ مہتمم مدرسہ اس کے لیے آمادہ ہوں گے یا نہیں کہ وہ بذریعہ رجسٹری بھیج دیں، اگر جناب کی تشریف آوری مرادآباد ہو تو کتب خانہ میں ملاحظہ فرما لیجئے، مزاج گرامی بعافیت ہوں۔

والسلام

۱۹؍جولائی ۱۹۶۰ء

مطابق ۲۴؍محرم الحرام ۱۳۸۰ء

(۱۸) محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ سے مشرف ہوا، متفقہ فتوی (۲) کی کچھ کاپیاں پولس کی دست برد سے کسی طرح محفوظ کر لی گئی تھیں، وہ دفتر کے محفوظ ریکارڈ میں موجود ہوں گی، مگر جگہ کی قلت کے سبب سے تمام ریکارڈ اس طرح رکھا ہوا ہے کہ کسی کا نکالنا فرہاد کے جوئے شیر (لانے) سے کم دشوار

(۱) رسالہ تحقیق اراضی ہند، شیخ جلال تھانیسری کا مشہور رسالہ ہے، خاکسار اس زمانہ میں ہندوستان (بریلی) گیا تھا، لہٰذا چاہتا تھا کہ اس کو دیکھوں، پھر یہ رسالہ پہلے ''بصائر'' کراچی میں بالاقساط اور بعدازاں کتابی صورت میں شائع ہوا۔

(۲) ترک موالات کی تائید میں علماء کا متفقہ فتوی شائع ہوا تھا۔

نہیں ہے، البتہ جمعیۃ علماء کی جملہ تجاویز اور تحریک کے سلسلے کے فتاوی یک جا جمع کرادیئے گئے تھے، جمعیۃ علماء کیا ہے؟ جلد دوم میں اس کو بھی تقریباً پندرہ سال گزر چکے ہیں۔

ایک نسخہ جمعیۃ علماء کیا ہے؟ جلد دوم کا بذریعہ بک پوسٹ ارسال ہے، رسید سے مطلع فرما کر مطمئن فرمائیے۔

والسلام

۸؍ستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۹) محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

۹؍نومبر ۱۹۶۱ء کے گرامی نامہ میں اطلاع دی تھی کہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز(۱) ارسال فرمارہے ہیں، پورے چھ ماہ ہوگئے، کتاب سے اب تک مشرف نہیں ہوا، انتظار باقی ہے۔

ادھر نومبر سے آج تک کچھ ایسا چکر ہے کہ دہلی میں دو چار روز سے زیادہ قیام کا موقع نہیں ملا، اول جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس عام پھر رمضان شریف اور اس سے پہلے شعبان میں مدارس عربیہ کے امتحانات وغیرہ کے سلسلہ میں خدا واسطے کی مشغولیت پھر جبل پور اور ساگر وغیرہ کے ہنگاموں کے باعث ان علاقوں کا بار بار سفر اور ریلیف کے کام، بہر حال گرامی نامہ اس وقت تک محفوظ کر رکھا ہے اور سامنے ہی رکھا ہے، خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کے چند رسالے دو تین روز ہوئے موصول ہوئے، احقر کا خیال ہے کہ علمائے ہند کا شاندار ماضی وغیرہ چند کتابیں سوسائٹی کے لیے پیش کردے، اگر یہ کتابیں کچھ کارآمد ہوسکتی ہوں تو مہربانی فرما کر بواپسی مطلع فرمائیے، احقر ارسال

(۱) ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ترجمہ مولوی محمد علی لطفی، ومفتی انتظام اللہ شہابی کراچی سے شائع ہوا تھا۔

کردے گا۔

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ والسلام

۱۱/مئی ۱۹۶۱ء مطابق ۱۶/ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ

(۲۰) محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے بعد گرامی نامہ سے مشرف ہوا، اس وقت مندرجہ ذیل کتب الحمدللہ بک ڈپو کی جانب سے بطور ہدیہ ارسال ہیں، وصول یابی سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

والسلام

۲۱/جولائی ۱۹۶۱ء

مطابق ۶/صفر ۱۳۸۱ ہجری

(۲۱) محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۲۱/نومبر ۱۹۶۱ء سے مشرف ہوا، سفروں وغیرہ کے باعث جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیں۔

ارشاد گرامی کے مطابق شاندار ماضی جلد دوم، سوم، چہارم اور علماء حق جلد اول و دوم مولانا اعجاز الحق قدوسی صاحب کے نام بھیج دی گئی، جلد اول نایاب ہے، اب آپ مہربانی فرما کر مولانا اعجاز الحق قدوسی صاحب سے فرما دیجئے کہ دو کتابیں ارسال فرمائیں، ایک احقر کے لئے دوسری جمعیۃ علماء ہند کی لائبریری کے لیے، مگر ایک پارسل میں دو کتابیں نہیں آ سکیں گی،

علیحدہ علیحدہ بھیجی جائیں، ایک احقر کے نام اور دوسری خالد میاں سلمہٗ ۱۲۱۴۱ احاطہ کالے صاحب، قاسم جان اسٹریٹ دہلی نمبر ۶/ کے نام، خدا کرے مزاج گرامی بہمہ وجوہ بعافیت ہوں۔

والسلام

۱۸/دسمبر ۱۹۶۱ء مطابق ۹/رجب ۱۳۸۱ھ

۲۲- محترم قادری صاحب......دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

ماہ مبارک مبارک ہو، اللہ تعالیٰ اس کی برکتوں سے ہم سب کو نوازے، یہاں انتخابات کی گرم بازاری ہے، احقر اپنے لئے نہیں لیکن اپنے دوستوں کی وجہ سے کشمکش میں ہے، اس وقت امروہہ (۱) سے سنبھل جا رہا ہے، بہر حال یہاں خیریت ہے، گرامی نامہ مورخہ ۲۳/ دسمبر کا بہت بہت شکریہ، ایک نسخہ تذکرہ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کا بھی شکریہ، دوسرے کا انتظار ہے۔

والسلام

۱۱/فروری ۱۹۶۲ء مطابق ۵/رمضان ۱۳۸۱ھ

۲۳- محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۱۸/جنوری کا جواب بہت تاخیر سے دیدے رہا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ

(۱) امروہہ ضلع مرادآباد کا مشہور تاریخی قصبہ تھا، اب مستقل ضلع ہے، سنبھل بھی ضلع مرادآباد کا مشہور تاریخی قصبہ تھا اب ضلع بن گیا ہے۔

شعبان کا مہینہ بہت مشغولیت کا گزرتا ہے، احقر کا سلسلہ درس اگرچہ تقریباً ۱۸؍سال سے بند ہے، مگر مدارس عربیہ سے تعلق خدا کے فضل سے اب تک بہت گہرا ہے، دو مدرسوں کا اہتمام، مدرسہ شاہی مرادآباد اور مدرسہ حسین بخش دہلی کا اہتمام اس ناکارہ کے سپرد ہے، اور متعدد مدرسوں کی مجلس شوریٰ کا احقر ممبر ہے، شعبان کے مہینے میں عربی مدرسوں میں امتحانات ہوتے ہیں اور سالانہ جلسے ہوا کرتے ہیں، احقر کو ان میں کھینچنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے شعبان میں بہت مشغولیت رہتی ہے، اس سال بھی شعبان ختم ہونے نہیں پایا تھا کہ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے انتخابات کا سلسلہ شروع ہوگیا، احقر نے اگرچہ پارلیمنٹ یا اسمبلی کی رکنیت اپنے لئے نہ پسند کی اور نہ قبول کی، مگر الیکشن سے دلچسپی ہے اور بایں ہمہ تقدس نمائی وتقوی وعبادت الیکشن خوب لڑالیتا ہوں، اس مرتبہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بیمار پڑ گئے، تو ان کے الیکشن کا چارج مجھے ہی لینا پڑا، ۱۵؍رمضان شریف کو اس سے فراغت ہوئی تو کلکتہ جانا پڑ گیا، جہاں سے جمعیۃ علماء ہند کے لیے مالی امداد حاصل کی جاتی ہے، رمضان شریف ختم ہوا تو ادھر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی علالت کی وجہ سے سخت تشویش ہے، دوسری برادر عزیز سید احمد میاں سلمہ کی دولڑکیوں کا عقد ۸/۹؍شوال کو ہے، مختصر یہ کہ اب تک مصروف رہا کہ نہ جناب کی تصنیف مبارک کا مطالعہ کرسکا نہ اس کے متعلق کچھ لکھ سکا، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ جلد موقع عنایت فرمائے کہ تعمیل ارشاد کرسکوں، کتاب کا صرف ایک نسخہ ملا ہے، دوسرے کا انتظار ہے۔

والسلام

۱۶؍مارچ ۱۹۶۲ء مطابق ۵؍شوال ۱۳۸۱ھ

(۲۴) محترم المقام جناب قادری صاحب...... دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

پہلے مبارک باد قبول فرمائیے، پھر شکریہ، مبارک باد عید الاضحیٰ کی، اگرچہ سادہ ہے، شکریہ

علمی ہدیہ کا یعنی تواریخ عجیب (۱) اور وحدت الوجود والشہود (۲) دونوں باعث شادمانی ہوئے، استفاضہ کا ابھی موقع نہیں ہے، مصروفیت بہت زیادہ ہے، چندروز بعد مطالعہ کر کے اپنی ناقص رائے عرض کرسکوں گا۔

والسلام

۴/مئی ۱۹۶۳ء

(۲۵) محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

انتظار تھا، خدا کے فضل سے آج کامیابی کے ساتھ ختم ہوا، جناب والا بخیریت پہنچ گئے، امید ہے کہ اور سب حضرات بھی بخیرت ہوں۔ (۳)

مولانا محمد اعلیٰ صاحب کے متعلق صرف جناب کا ارشاد کافی نہیں ہے، تحقیق فرمائیے اور حوالہ عنایت فرمائیے، یہ صرف احقر کا خیال ہی نہیں ہے بلکہ ایک بہت بڑے محقق اور محدث کی رائے ہے، اس بنا پر تحقیق کے بغیر اس کی تردید قابل اطمینان نہیں ہوسکتی۔ (۴)

والسلام

۲۷/اگست ۱۹۶۳ء

مطابق ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ

---

(۱) خاکسار کی مرتبہ کتاب تواریخ عجیب عرف کالاپانی (تالیف مولوی محمد جعفر تھانیسری)

(۲) جناب ثناء الحق صدیقی صاحب کا مرتبہ رسالہ جو حضرت مولانا شیخ محمد تھانیسری کی تالیف ہے۔

(۳) خاکسار ہندوستان سے کراچی واپس آ گیا ہے۔

(۴) مولانا محمد اعلیٰ صاحب کشاف اصطلاحات الفنون، تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے، مولانا محمد میاں صاحب کا خیال ہے کہ وہ تھانہ ممبئی کے رہنے والے تھے۔

(۲۶) محترم المقام......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ سے مشرف ہوا، اس محقق کا نام بتانے سے بہتر ہے کہ جناب اپنی تحقیق پیش فرمادیں، اگر جناب کی تحقیق واجب التسلیم ہوئی تو احقر ان محقق صاحب کے ارشاد کو قابل تسلیم نہیں سمجھے گا۔(۱)

جناب نے معاملہ کا آغاز فرمایا، پھر یہاں بہت پختگی سے اطمینا دلایا، مگر عزیز خالد سلمہ کو شکایت ہے کہ اس نے کئی خطوط لکھے مگر ان کے جواب سے محروم رہا، یہاں فرمائشیں ہیں اور وہاں سے جواب ندارد(۲) یہ تو بہت تکلیف دہ صورت ہے، امید ہے کہ جواب سے جلد نوازیں گے۔

والسلام

یکم ستمبر ۱۹۶۳ء

(۲۷) محترم قادری صاحب......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

ایک تازہ بتازہ ہدیہ پہنچا، یعنی نواب خان بہادر خان شہید (م ۱۸۵۷ء) کا تذکرہ، ان حضرات کے تذکروں سے طبعاً دلچسپی کا اثر یہ ہے کہ مطالعہ کیلئے وقت نکالا، آپ کا مقدمہ بھی پڑھا(۳) اور پوری کتاب پڑھی، سید مصطفیٰ صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں، تفصیل احقر نے سید الطاف

(۱) خاکسار کے ذہن میں شیخ محمد تھانوی کا حوالہ تھا، انہوں نے اپنی کتاب ''تاریخ تھانہ بھون'' میں مولانا محمد اعلی تھانوی کا تفصیلی ذکر کیا ہے، دونوں بزرگ ہم جد ہیں، اس وقت یہ کتاب خطی صورت میں تھی، خاکسار نے البلاغ کراچی کی تین اشاعتوں میں اس تاریخی نوشتہ (تاریخ تھانہ بھون) کو شائع کرادیا ہے۔

(۲) تجارتی بنیاد پر کتابوں کے تبادلہ کا ذکر کیا ہے، عملی طور سے یہ تحریر نقصان دہ رہا۔

(۳) خاکسار نے نواب خان بہادر شہید پر مقدمہ لکھا تھا۔

علی صاحب کو خط میں لکھی ہے ، جو ساتھ ہی ارسال کرر ہا ہوں، مہربانی فرما کر اس کو ضرور ملاحظہ فرمالیجئے ، الجمعیۃ میں تبصرہ شائع کر دیا جائے گا، مگر نہ آپ کے لئے مفید نہ ہمارے لئے ،اس لئے کہ جمعیۃ پاکستان میں نہیں جاتا ،اور پاکستان سے کتابیں نہیں آ سکتیں ، بہر حال تبصرہ توانشاء اللہ اس ہفتہ میں شائع ہو جائے گا، سرکشی ضلع بجنور کی طباعت کی خبر پڑھی تھی (۱) مہربانی فرما کر کتابستان کے پتے پر ضرور بھیجوا دیجئے ،اور بھائی صاحب (۲) کو بھی مطلع فرما دیجئے ،احقر خالد میاں سے کہہ دے گا، خالد میاں کا سلام بھی قبول فرمائیے۔

والسلام

یکم اکتوبر ۱۹۶۳ء

نوٹ: ہمارے محترم استاذ حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری صرف حدیث شریف میں ہی نہیں بلکہ ہر فن میں محققانہ شان رکھتے تھے،ان کی تقریروں کا ایک مجموعہ ''العرف الشذی'' کے نام سے شائع ہوا ہے، اس میں ایک موقع پر یہ ہے کہ مولانا محمد اعلی صاحب علاقہ ممبئ کے تھے (۳) باقی مزید تحقیق احقر کو بھی نہیں ہے؛ لیکن عرف الشذی کی یہ تحریر بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔

۲۸- محترم قادری صاحب ...... دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

رمضان شریف کی برکتیں مبارک ہوں، اللہ تعالی ان سے بہرہ اندوز ہونے کی توفیق بخشے ،نوازش تازہ، موجب صد شکر، تازہ تصنیف ''مخدوم جہانیاں جہاں گشت'' ابھی موصول ہوئی، مطالعہ بھی نہ کر سکا ہوں، مگر آپ نے بہت بڑی ضرورت پوری کر دی ہے، جزاکم اللہ

(۱) خاکسار نے مردان سے اس کا نسخہ حاصل کر کے کراچی سے شائع کرایا تھا۔

(۲) عزیزی نعمت اللہ قادری سلمہ

(۳) العرف الشذی میں ایسا نہیں ہے، مولانا نے یادداشت سے یہ لکھ دیا تھا، آگے خطوط میں وضاحت کی ہے۔

مطالعہ سے استفادہ کے بعد کچھ اور عرض کر سکوں گا۔

جناب سید الطاف علی صاحب بریلوی کی معرفت ''پانی پت اور بزرگان پانی پت'' اور دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۱۲ر بھیجا تھا، امید ہے کہ ملاحظہ عالی میں پیش ہو چکے ہوں گے۔

والسلام

۲۹ر جنوری ۱۹۶۴ء

مطابق ۱۳ر رمضان ۱۳۸۳ھ

(۲۹) محترم قادری صاحب...... دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ باعث مسرت ہوا، مگر معاف فرمایئے، نتیجہ میں قلق اور تکدر رہوا، خیال ہے کہ مفتی صدالدین آزردہ کا وہ مکتوب (۱) جس کا جناب نے حوالہ طلب فرمایا ہے، احقر نے اس کو رئیس احمد صاحب جعفری کی کتاب ''بہادر شاہ ظفر'' سے نقل کیا ہے، احقر نے اس خیال کی تصدیق کے لیے کتاب تلاش کی، مگر افسوس کتاب دستیاب نہیں ہوئی، قریباً ڈیڑھ ہزار صفحات کی کتاب ہے، بیس روپیہ میں خریدی تھی، افسوس ہے کہ وہ گم ہے، سخت قلق ہے، یہ ابھی بہت تھوڑے عرصے میں دوسرا واقعہ ہے، جو اس نحیف وحزیں کو پیش آیا، تفہیمات الٰہیہ مکمل محفوظ تھی، اس پر احقر کے بہت سے نوٹ بھی تھے، وہ بھی اسی طرح غائب ہو گئی، اس کا قلق اور صدمہ ہے، دوسرا صدمہ ''بہادر شاہ ظفر'' نامی کتاب کا، بہر حال آپ کو کہیں کتاب مل جائے گی، مہربانی فرما کر ملاحظہ فرما لیجئے۔

والسلام

۳۰ر اپریل ۱۹۶۴ء

(۱) مفتی صدرالدین آزردہ کا ایک اردو مکتوب ہے، پہلے یہ خط معارف میں شائع ہوا تھا، جو ان کی کتاب تاریخ قنوج سے نقل کیا گیا ہے، تاریخ قنوج کا خطی نسخہ حبیب گنج کلیکشن (علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری) میں ہے، خاکسار نے اس کتاب تاریخ قنوج پر ''ماہانہ سرحد'' کراچی میں ایک تعارفی مضمون بھی شائع کر دیا ہے۔

(۳۰) محترم المکرّم......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ سے محترمہ خوش دامن صاحبہ کی وفات کا معلوم ہوکر صدمہ ہوا، مرحومہ کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے، صبر جمیل کے علاوہ نہ کوئی چارہ ہے نہ کوئی ذریعہ تسکین۔

سرکشی ضلع بجنور یعنی اس کتاب کی طلب عرصہ سے تھی، احقر نے ایک قلمی نسخہ سے کام نکالا تھا، اب آپ حضرات نے اس کو طبع کرا کر تاریخ کی ایک ضرورت کو پورا کر دیا، مولانا محمد اعلیٰ صاحب تھانوی کا ذکر عرف الشذی میں صفحہ ۸۶/ پر آراضی کے خراجی یا عشری ہونے کی بحث میں ہے، باقی یہ بات کہ وہ تھانہ بمبئی کے رہنے والے تھے، زبانی فرمائی تھی، لیکن حتمی اور قطعی طور پر نہیں بلکہ بطور ظن غالب۔

احقر کا خیال ہے کہ ''کشف الظنون'' کا تذکرہ ہے، یہاں کشف الظنون میسر نہیں، مرادآباد جانا ہوا، تو خیال نہیں رہا، اگر کہیں مل جائے تو ملاحظہ فرمائیے۔

پانی پت اور بزرگان پانی پت کتابستان کی طرف سے پیش ہے، قبول فرمائیے اور رسید سے مطلع فرمائیے، ندامت کے ساتھ اپنی بدحواسی کی معذرت کرتا ہوں کہ پتہ صحیح یاد نہیں رہا، ۱۴۱/ تو یاد ہے، یہ یاد نہیں کہ آگے نظام آباد ہے یا حیدرآباد، خالد میاں آج کل میونخ (جرمنی) پہنچے ہوئے ہیں، ان کے حافظہ سے مدد لے لیا کرتا تھا، ساجد سلمہ جو آج کل خالد میاں کے قائم مقام ہیں، وہ واقف نہیں ہیں، عید کی مبارک باد ہر ایک مسلمان دیتا ہے، احقر آمد رمضان شریف کی مبارک باد پیش کر رہا ہے۔

والسلام

۶/ دسمبر ۱۹۶۴ء

مطابق ۱۴/ شعبان ۱۳۸۴ھ

(۳۱) محترم المکرّم......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

بہت طویل عرصہ کے بعد یہ عریضہ لکھ رہا ہوں، احقر اس عرصے میں بہت زیادہ مشغول ومصروف رہا، اس لیے سیرت فریدیہ(۱) کا مطالعہ تو کیا کرتا، عریضہ بھی نہیں لکھ سکا، اب الحمدللہ کچھ فرصت ملی ہے تو پہلا کام یہی ہے کہ گرامی ناموں کا جواب دے رہا ہوں ''عہدزریں'' حصہ اول اور دوم جواب تک شائع ہو چکے ہیں، ارسال ہیں، ملاحظہ فرمائیے، رائے عالی سے مطلع فرمائیے اور کچھ احباب کو خریدار بننے کی طرف متوجہ فرمائیے، حصہ اول کے ابتدائی صفحات میں نیز اشتہار میں اس کا مقصد واضح کیا گیا ہے۔

سیرت فریدیہ کا مطالعہ کیا، سرسید صاحب نے اپنی والدہ محترمہ کے جو چند واقعات اور نصائح درج کئے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ علیحدہ شائع کیا جائے، باقی سیرت فریدیہ کی قدرومنزلت صرف اس بناپر ہوسکتی ہے کہ تاریخ کی ایک ٹوٹی ہوئی کڑی اس سے جڑ جاتی ہے، اورزمان شاہ کی واپسی کا معمہ حل ہوجاتا ہے، یہ ایک طالب علم کے لئے بہت قیمتی چیز ہے، مگر عام خریدار اس کی قدر کہاں پہچان سکتے ہیں، مقدمہ احقر کے مذاق کے مطابق ہے، مگر اب احقر ایسی حقیقتوں کی اشاعت کو پسند نہیں کرتا، ہندوستان اور پاکستان کے حالات مختلف ہیں، ممکن ہے کہ پاکستان میں اس کی اشاعت کارآمد ثابت ہو مگر احقر کے سامنے اپنا ماحول ہے، احقر تو یہی عرض کرے گا کہ اب کیچڑ اچھالنے سے کیا فائدہ، جس کے ناپاک دھبے اپنے دامن ہی کو گندہ کردیں ''تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ'' خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

والسلام

۶/دسمبر ۶۴ء مطابق ۱۴/شعبان ۸۴ھ

(۱) سرسید احمد خان کی تالیف جوان کے نانا کے حالات میں ہے، خاکسار کی تحریک پر طبع ہوئی تھی، اور محبی حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے اس پر ایک تفصیلی مقدمہ لکھا تھا۔

(۳۲) محترم المکرّم......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

آپ کی تازہ تالیف ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' سے مستفیض ہوا، پھر ایک کارڈ بھی پہنچا، خیال یہ تھا کہ کتاب کی رسید میں تبصرہ بھیج دیا جائے، چنانچہ تقریباً دس روز ہوئے جب تبصرہ لکھ کر دفتر میں بھیج دیا تھا، مگر سابق سنڈے ایڈیشن میں شائع نہیں ہوسکا، بہر حال اس وقت ہمرشتہ ہے، ممکن ہے دفتر سے اخبار بھی پہنچا ہو۔

تبصرہ لکھنے میں احقر نے مبالغہ نہیں کیا، نہ ضمیر کے خلاف الفاظ کی نمائش کی ہے، احقر نے دلی جذبہ سے مبارک باد دی ہے، اس عریضہ میں بھی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

احقر کو اپنی لکھی ہوئی کتاب کے متعلق اعتماد نہیں ہوتا کہ اہل علم پسند کریں گے، اس وجہ سے پیش کرتے ہوئے جھجک رہتی ہے، بہر حال عہد زریں کا ۵/۶ (حصہ) یکجا شائع ہوا ہے، ارسال کر رہا ہوں، اس کا عنوان غزوۂ بدر کبری ہے، اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا، احقر کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے، کم از کم پانچ سو خریدار ہوتے تو چل سکتا تھا، مگر ڈیڑھ سو سے زیادہ خریدار نہیں ہوئے، جو حصے شائع ہوئے، ان میں بھی تقریباً دو ہزار روپیہ کا خسارہ رہا، کوئی ادارہ اگر متوجہ ہو جاتا تو یہ سلسلہ چل سکتا تھا، اب بھی کوئی ادارہ ہمت کرے تو احقر تکمیل کی کوشش کرے، ۶ر حصے جو شائع ہوئے ہیں وہ تقریباً ایک ربع ہیں، اس طرح کے ۱۸ر حصے اور ہوں گے۔

بصائر(۱) دوبارہ نہیں آیا، تعمیر مکان پر مبارک باد قبول فرمائیے، جعفر حسین (۲) صاحب دیوبندی سے احقر واقف نہیں ہے، کچھ حضرات جن کا تعلق احقر کے خاندان سے بھی تھا وہ

(۱) کراچی کا سہ ماہی رسالہ جو خاکسار کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

(۲) غالب کے سلسلے کے شاعر تھے، ان کی قلمی بیاض اور چند چیزیں ملی تھیں، مولانا محمد میاں سے ان کے متعلق دریافت کیا تھا۔

بھوپال چلے گئے تھے، بچپن میں ایک مرتبہ وہاں سے کچھ حضرات آئے بھی تھے، سید طفیل احمد صاحب مرحوم احقر کے والد صاحب کے خالہ زاد بھائی ہوتے تھے، اس زمانہ میں سید صاحب دیوبند ہی میں رجسٹرار تھے، اور احقر کے مکان کے قریب عم اکبر سید ناظر حسن مرحوم کے مکان میں رہا کرتے تھے، بھوپال سے یہ حضرات ان کے یہاں آئے تھے، احقر کے مکان کے متصل ایک قطعہ اراضی ہے، اس میں ان صاحبان کا حصہ بھی تھا، اس سے زیادہ احقر کو معلوم نہیں، مولانا سید محبوب حسن صاحب رضوی بھی احقر کے ہم جداور قریب کے رشتہ دار ہیں، احقر بھی ان کو لکھے گا مگر آپ کے لکھنے کا زیادہ اثر ہوگا، احقر ان سے اس طرح کی فرمائش کرتا رہتا ہے، خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

والسلام

۱۸/فروری ۱۹۶۷ء

تبصرہ الجمعیۃ دہلی سنڈے ایڈیشن

۸/ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۸/فروری ۱۹۶۷ء

مولانا محمد احسن نانوتوی از محترم محمد ایوب قادری ایم اے، شائع کردہ مکتبہ عثمانیہ، پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی نمبر ۵/قیمت مجلد چار روپے، صفحات ۲۸۸۔

محمد ایوب صاحب قادری ان بلند پایہ مصنفین میں سے ہیں، جو تحقیق و تفتیش کے جملہ مراحل طے کرنے کے بعد قلم اٹھاتے ہیں، آپ کو اس ہنگامہ خیز دور کے واقعات اور رجال سے خاص دلچسپی ہے، جس کو ۱۸۵۷ء کا انقلابی دور یا غدر ۱۸۵۷ء کا دور کہا جاتا ہے، اس دور کے علماء میں سے مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی ہیں جو زیر تبصرہ کتاب کا موضوع ہیں۔

جس طرح احیاء علوم الدین، درمختار، کنز الدقائق، حصن حصین، بہت مشہور نہایت مفید اور بلند پایہ مستند کتابیں ہیں، اسی طرح ان کے تراجم، مذاق العارفین، غایۃ الاوطار، ارض

المسائل، خیر متین بھی نہایت مستند ہیں جو اہل علم کی نظر میں خاص وقعت رکھتے ہیں۔

ان کے مصنفین کی طرح ان کے مترجم کی بھی قدر کی جاتی ہے، مگر مترجم کے حالات اوران کے سوانح حیات سے اہل علم نا آشنا تھے، ان مقبول و مستند بنیادی کتابوں کے جلیل القدر مترجم بھی مولانا محمد احسن نانوتوی ہیں، عربی کے ابتدائی درجات میں مفید الطالبین عام طور پر داخل درس ہوتی ہے، وہ بھی آپ ہی کے خامہ فیض شمامہ کا فیض ہے۔

''عنوان کتاب اگرچہ مولانا محمد احسن نانوتوی ہے، مگر قادری صاحب کا چشمہ فیض عنوان کی حدود میں محدود نہیں رہا، بلکہ مولانا محمد احسن کے علاوہ پچیس حضرات کا مختصر تذکرہ کتاب میں آ گیا ہے، جس سلسلہ میں کسی صاحب کا نام آیا ہے، ان کا مختصر تذکرہ مقام وسن پیدائش وسن وفات وغیرہ حاشیہ میں دیدیا ہے، اس کے علاوہ ضمیمہ میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم کی جامع اور مختصر سوانح حیات درج کردی گئی ہے، اس بنا پر موزوں اور مناسب یہ تھا کہ کتاب کا نام اور عنوان مولانا محمد احسن کے بجائے ''علمائے نانوتہ'' ہوتا۔

فاضل مصنف نے ان بزرگوں کے متعلق اگرچہ مختصر لکھا ہے مگر جو کچھ لکھا ہے وہ پوری تحقیق کے بعد لکھا ہے، اور غیر ضروری بات کوئی نہیں لکھی، صرف مغز جمع کردیا ہے، اس مختصر مجموعہ میں ان روایات کی بھی اصلاح ہوگئی ہے، جو اگرچہ مولانا عبیداللہ سندھی جیسی عظیم شخصیتوں کی طرف منسوب ہیں، مگر حقیقت کے لحاظ سے صحیح نہیں، کیونکہ ان حضرات کی روایتیں تخمین وقیاس یا شہرت پر مبنی ہیں، اور ایوب صاحب نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کا قابل اعتماد حوالہ دیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ حضرات نہ صرف علمائے دیوبند کے اکابر ہیں، بلکہ اگر دیوبندیت کوئی جدا مسلک ہے، تو اس کے بانی یہی حضرات ہیں، ان کے متعلق ریسرچ اور تحقیق و تفتیش کرنے والا مصنف جو ہے، اگرچہ اب پاکستانی ہے مگر اسکا نشو ونما ایسے مقام (بدایوں) میں

ہوا، جو دیو بند اور دیو بندیت کی ضد مانا جاتا تھا، بہرحال کتاب ہر لحاظ سے قابل قدر ہے اور اس کے فاضل مصنف مستحق مبارک باد ہیں۔ (مولانا محمد میاں)

والسلام

(۳۴) محترم ومکرم دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

بہت طویل عرصہ کے بعد گرامی نامہ سے مشرف ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ، اور جناب نے اقدام فرمایا اس کا مزید شکریہ۔

بہت اچھا ہے آپ ۱۹۵۷ء پر تحریر فرما رہے ہیں کہ تصنیف محققانہ ہوگی، اور جو کوتاہیاں اب تک کی تصانیف میں باقی ہیں، ان کی تلافی کر دی جائے گی، شاندار ماضی جلد چہارم بھی ۱۸۵۷ء کے متعلق ہے، وہ پیش نظر رہے تو بہتر ہے۔

آپ اس سے استفادہ تو کیا کرتے اس میں ایک کافی حصہ جناب کے مضامین سے ہی لیا گیا ہے، اور اس تحریک کے اسباب ومحرکات اور مجاہدین تحریک کے بارے میں کچھ چیزیں سامنے آجائیں گی، اور احقر کی رائے غلط ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے گی، بشرطیکہ احقر کو بھی مطلع فرما دیں، اگر یہ کتاب آپ کے پاس نہ ہو تو احقر یہاں سے بھیج دے، مگر گذشتہ سال آپ کے پاس بھیجی گئی ہے، اگر پہنچ گئی ہوگی تو شاید محفوظ بھی ہوگی، ریشمی رومال کی تحریک نیز پیر پگاڑو کی تحریک کے لیے محققانہ تصانیف کی ضرورت ہے، اس طرف بھی توجہ فرمائیے، عہد زریں ازالۃ الخفاء بترتیب جدید کے صرف چھ حصے ہی شائع ہو سکے، دوسری جلد کی کتابت ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ تصحیح کرنے کی فرصت بخش دے، تو صرف طباعت کا مرحلہ باقی رہ جائے گا۔

والسلام

۲۸/فروری ۱۹۶۷ء

بنام جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب
مدیر ماہنامہ ''المعارف'' لاہور

مندرجہ ذیل تین خطوط جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے نام ہیں جو المعارف لاہور کے جولائی ۱۹۸۳ء کے شمارے میں شائع ہوئے تھے۔

(۱) محترم مولانا دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

ایک عزیز دوست کی رہنمائی سے الاعتصام مورخہ ۶/جنوری ۱۹۵۶ء کے صفحہ ۳/کا مضمون پڑھا، جو جمعیۃ علماء ہند کے سپاس نامہ کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے، اس خادم یا سپاس نامہ(۱) کے متعلق اظہار خیال کا بہت شکریہ، علماء ہند کے شان دار ماضی اور سپاس نامہ میں جناب کی نظر اور رائے عالی کے بموجب جو کچھ کوتاہی ہوئی، اس کی تلافی کی ایک ہی شکل تھی کہ

(۱) ۱۹۵۵ء کے دسمبر میں سعودی عرب کے سابق فرماں رواں مرحوم شاہ سعود بن عبدالعزیز ہندوستان کے دورے پر تشریف لائے تھے، وہ ۱۷/دن ہندوستان رہے اور مختلف مقامات میں گئے، ہندوستان کی کئی انجمنوں اور جماعتوں نے ان کو سپاس نامے پیش کئے، جمعیۃ علماء ہند نے بھی ان کو سپاس نامہ پیش کیا، یہ سپاس نامہ یکم جنوری ۱۹۵۶ء کو جمعیۃ علماء ہند کے ترجمان روز نامہ ''الجمعیۃ'' دہلی میں شائع ہوا، اس سپاس نامے کا اسلوب کچھ ایسا تھا کہ اس میں جمعیۃ علماء ہند اور علمائے دیوبند کو ایک ہی شئی بتایا گیا تھا اور ملک کی آزادی میں ان حضرات کے علاوہ کسی اور کا تذکرہ نہیں کیا گیا تھا، راقم السطور اس زمانے میں ہفت روزہ ''الاعتصام'' کا ایڈیٹر تھا، میں نے ۶/جنوری ۱۹۵۶ء کے ''اعتصام'' میں لکھا کہ دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند ایک شئی نہیں ہے، بعض مشاہیر علماء دیوبند جنہوں نے تحریک آزادی میں حصہ لیا، جمعیۃ میں شامل نہ تھے، پھر ملک کی آزادی میں علمائے دیوبند کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی حصہ لیا اور قربانیاں دی ہیں، میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ انداز واسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سپاس نامہ مولانا سید محمد میاں کا تحریر فرمودہ ہے، اس لیے کہ اس کا انداز وہی ہے جو ان کی مشہور کتاب ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' کا ہے، اس کتاب میں علمائے صادق پور کو بھی مولانا نے نظر انداز کر دیا ہے، حضرت مولانا مرحوم نے یہاں میرے ان ہی الفاظ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں علمائے صادق پور کا الگ تذکرہ کیا ہے اور کتاب کی تیسری جلد ان ہی کے حالات پر مشتمل ہے۔

''حضرات علماء صادق پور'' کی جلیل القدر خدمات کا تذکرہ مستقلاً کیا جائے ، چنانچہ تحریر وتالیف کی حد تک بفضلہٖ تعالی اس فرض سے سبکدوش ہو گیا ہوں، اللہ تعالی طباعت واشاعت کی بھی توفیق بخشے۔

ان بزرگوں کی خدمات کے صرف ایک جز یعنی مالی قربانی کے متعلق احقر کا ایک مضمون اسی سال الجمعیۃ کے (غالبًا) آزادی نمبر میں شائع بھی ہو چکا ہے، یہ تو احقر اور اس کا احساس فرض ہے، لیکن معاف فرمائیے اگر جناب والا سے دریافت کروں:

(۱) سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے متعلق جناب والا کیا خیال ہے (جناب کے ارشاد کے مطابق مولانا آزاد کا نام تو اس لئے آیا کہ اس سے مفر نہیں تھا (اس حسن ظن کا بہت بہت شکریہ) مگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا اسم گرامی کیوں آیا؟۔

(۲) احقر ان تمام بزرگوں کے حالات تلاش کر رہا ہے، جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں حصہ لیا، یہ احقر کا خاص موضوع تحقیق ہے، میں بہت ہی شکر گزار ہوں گا کہ جناب والا کچھ نام اور ہو سکے تو ان کے حالات (مع حوالہ) تحریر فرما دیں۔

(۳) مصنف ایضاح الادلہ قدس اللہ سرہ العزیز کے متعلق جناب کا انکشاف تحقیق طلب ہے، نہ صرف احقر بلکہ وہ بزرگ جو اس تحریک کے معتمد ارکان تھے، وہ بھی اس جدید انکشاف سے لاعلم ہیں۔

انکشاف بہر حال ایسا ہی ہونا چاہئے کہ خود صاحب واقعہ کو بھی خبر نہ ہو؟ (۱)۔

نیاز مند

محمد میاں دیوبندی

(۱) اس کا تعلق شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ اور تحریک مجاہدین سے ہے، اس کا جواب راقم نے سید محمد میاں مرحوم کو اخبار میں نہیں دیا، ایک مفصل عریضے میں عرض کیا تھا، اس کے جواب میں مولانا مرحوم نے بھی از راہ کرم گرامی نامہ تحریر فرمایا، پھر اس ضمن میں کچھ عرصہ سلسلہ مراسلات جاری رہا، افسوس ہے وہ خط وکتابت محفوظ نہ رہی، البتہ ان خطوط کے مندرجات میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔

(۲)از جمعیۃ علماء ہند دہلی

۲۲؍ربیع الاول ۱۳۷۷ھ/ مطابق ۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۷ء

محترم العلامہ دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۱۲؍ستمبر سے احقر مشرف ہوا تھا، علماء ہند کا شاندار ماضی جناب کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ احقر کا پہلے سے تھا، جناب کے گرامی نامہ کے بعد ارادے میں وجوب اور فرض کی پختگی پیدا ہوگئی، مگر چونکہ تیسری جلد کی تیاری میں دیر ہوئی، اس لیے ارادہ جامہ عمل سے برہنہ رہا، الحمدللہ تیسرا حصہ بھی مکمل ہوگیا ہے، آج جلد۲/جلد۳/بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ ارسال کی ہیں، رسید سے مطلع فرما کر مطمئن فرمائیں۔

آخر میں یہ گزارش ہے کہ ملاحظہ فرمانے کے بعد آزادانہ رائے عالی کے پیش فرمانے میں تکلف نہ ہونا چاہیے، بہتر ہو کہ غلطیوں کا علم ہو جائے تاکہ آئندہ اصلاح کی کوشش کی جائے۔

والسلام

نیازمند محمد میاں

(۳)

از جمعیۃ علماء ہند دہلی یکم اپریل ۱۹۵۸ء

محترم مولانا دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

احقر چندے کے سلسلے میں کلکتہ آیا ہوا ہے، گرامی نامہ دہلی سے واپس ہو کر کلکتہ پہنچا، حالات سے آگاہ ہوا، ارشاد گرامی کی تعمیل کروں گا انشاء اللہ، مگر مبادلہ پر، یعنی جناب والا

الجمعیۃ کے ''امیر الہند'' نمبر کو مضمون عنایت فرمائیں۔(۱)

دوسری گزارش بہ سلسلہ مبادلہ الجمعیۃ ہے، احقر نے ابھی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو دہلی لکھ دیا ہے کہ منظور فرمائیں اور اگر کوئی عذر ہو تو جناب کو مطلع فرمائیں۔

محتاج دعا

نیاز مند محمد میاں

۸؍کولوٹولہ اسٹریٹ

بنام مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی

(۱) محترم المکرّم......دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

گرامی نامہ سے مشرف ہوا ''مشاہیر جنگ آزادی'' جناب کی تصنیف گرامی احقر نے مطالعہ کی، احقر نے کتاب کا اشتہار دیکھتے ہی اپنے ایک عزیز کو لاہور لکھ دیا تھا، یہ کتاب انہیں نے بھیجی تھی، محترم حاجی محمد سعید صاحب کی کتابیں بھی آ رہی ہیں، مگر اب تک ان کے متعلق یہی فیصلہ نہ ہوسکا کہ وہ بسلسلہ فروخت ہیں یا ریویو کے لیے، بہر حال کتاب پہنچ گئی ہے، ریویو ضرور ہوگا، آپ اطمینان فرمائیں، اتنا تبصرہ تو ابھی خصوصی طور پر کئے دیتا ہوں کہ احقر جیسے گمنام کو جناب نے مشہور کرنا چاہا، مگر گمنام پھر بھی گمنام ہی رہا، محمد میاں مرادآبادی نہیں ہے بلکہ دیوبندی ہے۔

مسقط راس اور وطن عزیز قصبہ دیوبند ہے، البتہ تحریک کے زمانہ میں عمر عزیز کا سب سے

(۱) جنوری ۱۹۵۸ء میں راقم نے لاہور سے سہ روزہ ''منہاج'' جاری کیا تھا، لیکن ان دنوں نئے اخباروں کو اخباری کاغذ آسانی سے نہیں ملتا تھا، کرنا فلی کا غذ خریدنا پڑتا تھا، جو بہت مہنگا تھا، اس لئے اپریل ۱۹۵۹ء میں ''منہاج'' بند کر دیا گیا تھا، میں نے منہاج کا خاص نمبر شائع کرنے کا اعلان کیا تھا، مضمون کے لیے مولانا سید محمد میاں مرحوم سے بھی درخواست کی، جس کے جواب میں یہ خط آیا۔

بہتر حصہ مرادآباد میں صرف کیا، اس وجہ سے لوگ مرادآبادی کہنے لگے، احقر نے دیوبند کی طرف انتساب تحریر میں لانا کبھی بھی مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ اس سے وطنیت کے بجائے ایک مخصوص اور محدود گروہ بندی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جس کا سینہ عالم انسانیت کی خدمت کے لئے ہو، وہ اس گروہ بندی کے وہم کو بھی پسند نہ کرے گا، اس بنا پر احقر نے اس انتساب سے اجتناب کیا، ایک بات کم از کم احقر کے لئے حیرت انگیز ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب جیسے اکابر علماء اور اساطین امت کا جنگ آزادی میں حصہ لینا ایک مسلمہ حقیقت ہے، خدا جانے جناب کے قلم سے کس طرح اور کیوں نظر انداز ہو گئے۔

والسلام
محمد میاں عفی عنہ

بنام جناب منشی عبدالرحمٰن خان
انداز سخن تخلیق مرکز لاہور ۱۹۷۳ء

(۱) جناب محترم منشی صاحب!

السلام علیکم

آپ نے سلسلہ تعلیم القرآن تین حصوں میں مرتب فرما کر قرآن پاک سے اپنے جس تعلق کا اظہار کیا ہے اور عام مسلمانوں تک احکام و تعلیمات الٰہیہ کی تبلیغ کا جو فرض انجام دیا ہے، وہ بہت مبارک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے علمی ذخائر کی نہ کوئی حد ہے اور نہ اس کے حکم و بصائر کی کوئی انتہاء، عقل انسانی کا ہر ایک ارتقا اس کے عجیب و غریب لطائف کو واضح کرتا ہے، اور اقوام عالم کا عروج و زوال اس کے حکم و بصائر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

إن لـه ظهـراً و بـطـنـاً لاتـنـقعى عجائبه و لا تنتهى غرائبه و لكل حد مطلع أو كماقال صلى الله عليه و سلم بایں ہمہ یہ سلسلہ تعلیم القرآن کلام اللہ کی عجیب وغریب اور نہایت مفید خدمت ہے، ترتیب نہایت مناسب، عنوانات سہل، طرز ادا سادہ اور عام فہم، معمولی قابلیت کا انسان اس سے بآسانی استفادہ کرسکتا ہے، ضرورت ہے کہ اسلامی مدارس ومکاتیب اس سلسلہ کا طلبہ کو مطالعہ کرائیں، ہر ایک مسلمان کے گھر میں اس سلسلہ کا مکمل سیٹ رہنا چاہئے، اور کوشش کرنی چاہئے کہ اس کے مضامین از بر ہوں اور رات دن کے اعمال وافعال ان تعلیمات کے بموجب ہوں، اللہ تعالی اس سلسلے کو آپ کے لئے اور عام مسلمانوں کے لیے مفید بنائے۔آمین

والسلام

محمد میاں عفی عنہ

۲رمئی ۱۹۵۷ء

بنام سید الطاف علی بریلوی

مدیر سہ ماہی ''العلم'' جنوری تا مارچ ۱۹۶۸ء کراچی

(۱) جمعیۃ علماء ہند دہلی:

گرامی نامہ مورخہ ۳۰رجون موجب شادکامی ہوا، آپ کی قدر افزائی بھی مستحق شکریہ ہے ''فشكراً لكم و لاهلكم المحترمه'' شاندار ماضی کی جلد چہارم تقریباً دس سال ہوئے طبع ہوئی تھی، محمد میاں جیسا بے سروسامان جس کی تہہ دستی کا یہ عالم ہو کہ اس کے پاس توکل کا سرمایہ بھی برائے نام ہو، ایسے احباب اور اداروں کا شکر گزار ہوتا ہے، جو کتاب کے تمام نسخے بالمقطع خرید لیں تاکہ مصارف طباعت وتیاری کی ادائیگی ہوجائے، اس لیے میرے پاس بہت کم نسخے رہ جاتے ہیں، اب وہ بھی ختم ہورہے ہیں، چند شکستہ نسخے باقی ہیں، ان میں سے ایک برخوردار ساجد سلمہ آپ کی خدمت میں رجسٹری بھیج رہے ہیں، یہ نسخہ صحیح سالم ہے، صرف

جلد عریاں، مولانا آزاد کے متعلق میں نے جو کچھ کہا ہے آپ نے اس کو اختلافی قرار دیا، درست ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ داماں دلائل کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں ہے، کچھ بنیادی تصورات ہوتے ہیں جو دلائل کی تولید کرتے رہتے ہیں "کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا" اور یہ دلائل بعد از وقت ہیں، لہٰذا۔

حدیث از مطرب دمے گو دا زم دہر کمتر جوئے

مشرق وسطی کے حالات نے دماغ میں غبار پیدا کیا، وہ غبار قلمبند ہو گیا، پھر شائع بھی ہو گیا، تراشہ ہمرشتہ ہے، یہاں بھی ایک تصور بنیادی ہے، تمام تاثرات اسی کے برگ و بار ہیں۔

محمد میاں

مرکز احیاء الفکر الاسلامی

وقت کی اہم ضرورت

﴿ایک دعوت، ایک تحریک، ایک کارواں﴾

مرکز احیاء الفکر الاسلامی ایک دینی، دعوتی، فکری، اصلاحی، ادبی، ثقافتی، تعلیمی اور جامع عالمی ادارہ ہے، جس کا قیام علماءِ حق دیوبند، سہارنپور اور لکھنؤ کی سرپرستی میں قرآن وحدیث اور اسلامی فکر کی دعوت وتبلیغ اور اشاعت کے لیے عمل میں آیا، تاکہ قوم کے اندر صحیح اسلامی روح وفکر اور دینی بیداری وحمیت پیدا کی جائے، عصر حاضر کے اسلوب میں اسلامی کتب دینی پمفلٹ اور دعوتی وفکری اور ادبی لٹریچر ورسائل تیار کر کے دنیا کے مختلف زبانوں میں شائع کیے جائیں، انٹر، ہائی اسکول پاس اور جدید تعلیم یافتہ حضرات نیز لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ پانچ سال کی قلیل مدت میں خصوصی کورس کے ذریعے عالم دین بنایا جائے اور مساجد ومکاتب قائم کیے جائیں نیز اسلامی شفاخانوں کا قیام کیا جائے تاکہ نادار طلبہ کے ساتھ غرباء اور مساکین کا علاج مفت اور اطمینان بخش ہو سکے، فرق ضالہ اور برادران وطن غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت پیش کی جائے، اور ان کے سامنے اس کی ہمہ گیری اور پوری انسانی برادری کے لیے باعث رحمت بتایا جائے، اور پیام انسانیت پیش کیا جائے۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لیے مرکز کے دائرہ کار کو مندرجہ ذیل شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

١- جامعة الامام ابی الحسن الاسلامیة
٢- جامعة فاطمة الزهراء للبنات
٣- مرکز الامام ابی الحسن للدعوة والبحوث الاسلامیة
٤- اے ایس پبلك اسکول
٥- ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر
٦- مکتبة الامام ابی الحسن العامة
٧- جمعیة اصلاح البیان
٨- دعوت وارشاد
٩- دارالافتاء
١٠- شعبۂ کمپوتر
١١- مجلس صحافت اسلامیه
١٢- دارالبحوث والنشر

ملت کے دردمند حضرات سے مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ مرکز کا ہر طرح کا تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

مرکز احیاء الفکر الاسلامی (مظفر آباد، سہارنپور، یوپی، انڈیا) فون: 09719831058

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

چند اہم تصانیف

سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی مختصر جھلک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے چند نمایاں پہلو امت کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب مختصر مگر ضروری واہم معلومات پر مشتمل ہے، جس میں ۴۰/صفحات ہیں، قیمت صرف ۲۰/روپئے ہے۔

حیات عبدالرشیدؒ

یہ مغربی یوپی کی مشہور شخصیت، داعی الی اللہ، ناشر رشد وہدایت حضرت الحاج حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ (خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ) کی سوانح حیات ہے، جس میں حضرت حافظ صاحب کی زندگی کے حالات، دعوتی اسفار، صفات وکمالات، اصلاحی کارنامے، مدارس ومساجد کا قیام، واقعات وکرامات، ارشادات وملفوظات عملیات ومجربات جیسے عناوین شامل ہیں، دعوتی کام کرنے والوں کیلئے خاصے کی چیز ہے، ۳۳۴/صفحات پر مشتمل کتاب کی قیمت صرف ۲۰۰/روپئے ہے۔

تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

یہ کتاب حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے حالات زندگی اور ان کی دعوتی واصلاحی خدمات اور مدارس ومساجد کے قیام، خصوصیات وملفوظات اور مکتوبات،

معاصر مشائخ وخلفاء کے حالات پر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، جو پہلی بار منظر عام پر آئی ہے، ۳۶۰ر صفحات پر مشتمل کتاب کی قیمت صرف ۲۰۰ر روپئے ہے۔

سیرت مولانا یحیٰی کاندھلویؒ

یہ کتاب شیخ العرب والعجم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحیٰی کاندھلویؒ کی سوانح حیات ہے، جس میں ان کے خاندانی وآبائی بزرگوں کے حالات، ان کی تعلیم وتربیت، ان کے علمی کارنامے، ان کا تعلیمی وتربیتی طریقہ کار، خصوصیات وجذبات، ان کے معاصر مشائخ، ان کے مخصوص تلامذہ اوران کے باقیات الصالحات کے تفصیلی حالات ہیں، یہ کتاب ۳۱۲ر صفحات پر مشتمل ہے، جس کی قیمت ۱۰۰ر روپئے ہے۔

میری والدہ مرحومہ

اس کتاب میں راقم کی والدہ مرحومہ کی زندگی کے نقوش ومعمولات اور راقم کی تربیت کے واقعات، ان کی اولاد اوراہل تعلق کے تأثرات وجذبات اورحضرات علماء کرام کے تعزیتی خطوط ہیں، یہ کتاب ۸۶ر صفحات پر مشتمل ہے، جس کی قیمت صرف ۲۰ر روپئے ہے۔

مختصر تجوید القرآن

یہ کتاب تجوید پڑھنے والے طلبہ کیلئے نہایت آسان اور مفید ہے، جو ہندوستان وپاکستان کے تجوید وقرأت کے بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہے، اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، اکابر کی پسندیدہ کتاب ہے، ۶۴ر صفحات پر مشتمل ہے، جس کی قیمت ۱۰ر روپئے ہے۔

افکار دل

اس کتاب میں ۳۰/انمول تقریریں ہیں، جن کو پڑھ کراورسن کرانسان اپنی زندگی میں تبدیلی لاسکتا ہے، موجودہ حالات کے تناظر میں قرآن وحدیث کی روشنی میں زندگی میں جلا بخشنے والے روح پرور مضامین ہیں، جن سے زندگی میں تازگی اور سرور محسوس ہوتا ہے، کتاب ۴۶۰/صفحات پر مشتمل ہے، جس قیمت صرف ۲۰۰/روپئے ہے۔

مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ

خوابیدہ ماحول اورواہ واہی کے اس دور میں بلاکم وکاست اور بلاکسی رورعایت کے مدارس اسلامیہ کی تعلیم وتربیت، علماء اورائمہ اور مبلغین کے فرائض کی ادائیگی میں پیدا شدہ غفلتوں پر اس کتاب کا ہر مضمون نصیحت آمیز تازیانہ اورایک خوشبودار کنول کی حیثیت رکھتا ہے، جواس پرفتن دور میں کھل کرآیا ہے، بلاشبہ مدارس، مکاتب، مساجد ومراکز کے نظام اور ماحول میں اس کتاب کے مطالعہ سے بہتری اور عمدگی لائی جاسکتی ہے، کتاب کی ضخامت ۱۲۰/صفحات اور قیمت صرف ۲۰/روپئے ہے۔

رہنمائے سلوک وطریقت

یہ کتاب سلوک وطریقت کے سالکین کے لئے بہت مفید ہے، جس میں تصوف اوراس کی اصل، اللہ والوں سے تعلق اورسلوک وطریقت کے اصول اوراخلاق حمیدہ واخلاق رذیلہ اورسلاسل اربعہ کی خصوصیات وتعلیمات پرسیر حاصل بحث کی ہے، صفحات ۶۴/پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۱۵/روپئے ہے۔

چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (دوسرا ایڈیشن)

اس کتاب میں انیس بزرگوں کے حالات ہیں جن کی زندگیاں علمی ودینی خدمات میں گزری ہیں، اور جن کی زندگی کے حالات پڑھ کر خود اپنی زندگی کو قابل تقلید بنایا جاسکتا ہے، یہ کتاب ۲۵۶/صفحات پر مشتمل ہے، جس کی قیمت ۷۰/روپئے ہے۔

مقالات ومشاہدات

اس کتاب میں ۲۷/مضامین شامل ہیں، جو مختلف وقتوں میں لکھے گئے تھے، جن میں مصنف نے اپنی دینی واصلاحی فکر کو دعوتی اورادبی انداز میں پیش کیا ہے، یہ ایک اچھا علمی اور ادبی تحفہ ہے، اس کتاب میں ۲۴۸/صفحات ہیں جس کی قیمت ۶۰/روپئے ہے۔

مکتوبات اکابر

سماجی اوردینی تعلقات کی صورت میں ایک کو دوسرے سے ملاقات کرنے اورزندگی کے انفرادی یا دینی معاملات میں مشورہ کرنے اورمشورہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے، یہ ایک انسانی اوراہم ضرورت ہے، خط لکھنے والے ادیب ہوتے ہیں تو ان کے خطوط سے ادبی فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے، یہ ادب میں اس کی ایک قسم قرار پائی ہے، اس کتاب میں قریب کے زمانے کے ۲۰/ بزرگوں کے خطوط ہیں، اس لئے یہ کتاب اکابرین کی دعاؤں کا بہترین مجموعہ ہے، جس کی قیمت صرف ۵۰/روپئے ہے، یہ کتاب ۱۴۸/صفحات پر مشتمل ہے۔

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، ضلع سہارنپور (یوپی)
Mob. 09719831058
E-mail: masood_azizinadwi@yahoo.co.in